

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیاست شرعیہ

ابوالعباس احمد ابن علامہ شہاب الدین عبدالحلیم ابن تیمیہؒ

مقدمہ از مصنف

ہمارے شیخ ہمارے قائد و راہنما، ہمارے امام، عالم و عامل، صدر کمال، بیشمار فضائل کے حامل، کہ جن کے حصرواحصاء اور شمار کرنے سے بڑے بڑے علماء، فضلاء قاصر ہیں اور دشمن بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اور وہ ابوالعباس احمد ابن علامہ شہاب الدین عبدالحلیم ابن علامہ امام ابوالبرکات عبدالسلام بن عبداللہ بن ابوالقاسم ابن تیمیہ ہیں۔ اللہ قدوس ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ان کے فیوض سے مستفیض فرمائے، فرماتے ہیں:

الحمد للہ! کہ جس نے اپنے رسولوں، پیغمبروں کو واضح بینات دے کر بھیجا، اور ان رسولوں، پیغمبروں کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ سیدھی، مستقیم اور عدل و انصاف کی راہ پر لگ جائیں، اور لوہا تارا جس میں باس شدید، سخت ترین خوف، اور لوگوں کے لئے بے شمار منافع موجود ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کی نصرت و امداد کرنی چاہیے، اور کس کو رسالت و پیغمبری دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی قوی، عزیز اور غالب ہے اور اسی نے نبی کریم محمد ﷺ پر رسالت و نبوت ختم کر دی۔ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو ہدایت و رشد اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ تمام ادیان و مذاہب پر اس دین کو غالب کر کے چھوڑیں۔ اور اس کی تائید و نصرت کے لئے ایک ایسا سلطان نصیر، علم و قلم، رشد و ہدایت، حجت و دلیل، قدرت و قوت اور اقتدار و سطوت اور شمشیر و تلوار دی جو عزت و غلبہ کی کفیل ہے۔

••••• 3 ••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو وحدہ لا شریک ہے، اس کا کوئی شریک و ساجھی دار نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رحمت اتارے اللہ تعالیٰ ان پر، ان کے صحابہ پر، اور سلامتی ان پر بے حد و بے شمار، یہ ایسی شہادت ہے کہ شہادت دینے والا ہمیشہ ہمیش کے لئے اللہ کی حرز و حفاظت میں ہو جاتا ہے۔

وجہ تصنیف

اما بعد! یہ مختصر سالہ ہے جو سیاست الہیہ، نیابت نبوت کا جامع ہے، جس سے راوی روایت، حاکم و محکوم کسی حال میں مستغنی اور بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ اقتضاء یہ ہے کہ ولایت امور ﷺ حکام و الیان ملک کو جو نصیحت اللہ تعالیٰ نے واجب لازم اور ضروری قرار دی ہے وہ کی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو بیشمار طریقوں سے مروی اور ثابت ہے اور وہ یہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثَةً أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرُّوا. وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ.

اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے تم سے راضی ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور سب مل کر حبل اللہ کو مضبوط تھامے رہو اور گروہ گروہ نہ بن جاؤ، اور ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے امور کا والی اور حاکم بنایا ہے۔

اس رسالہ (یعنی کتاب) کی بنیاد کتاب اللہ کی اس آیت پر ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي

شَيْءٍ فَرَدُّهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (النساء: 58-58).

مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو، اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ جو تم کو نصیحت کرتا ہے تمہارے حق میں بہت اچھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے، مسلمانو! اللہ کا حکم مانو، اور رسول کا حکم مانو، اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔

علماء شریعت کا قول ہے کہ پہلی آیت یعنی إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ الخِ ولأمة امور، والیان ملک امراء و حکام کے متعلق نازل ہوئی ہے، کہ یہ لوگ امانتیں ان کے اہل اور حقداروں تک پہنچائیں جب کوئی حکم کریں اور فیصلہ دیں تو عدل و انصاف کریں۔ دوسری آیت یعنی:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ

رعیت، رعیت کے لشکروں وغیرہ کے متعلق ہے۔ کہ وہ اپنے اولی الامر کی اطاعت کریں جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اور تقسیم اور جنگ کے احکامات جاری کر رہے ہیں۔ اور غزوات ﴿جہاد و قتال﴾ وغیرہ میں کام کر رہے ہیں۔ ہاں اس حکم کی پیروی نہ کریں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ جب کبھی معصیت الہی اور اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو قطعاً اطاعت و پیروی نہ کریں۔ اور اس بارے میں حدیث نبوی وارد ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.

جس میں خالق کی معصیت و نافرمانی ہوتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

••••• 5 ••••• حکمران بیورد کریں اور عوام

پس جب کسی معاملہ میں آپس میں تنازع ہو جائے، تو کتاب و سنت کی طرف لوٹا دیں، اگر یہ لوگ ایسا نہیں کرتے کہ باہمی تنازع کو کتاب و سنت کی طرف لوٹائیں تو والیان ملک ﴿حاکم وقت﴾ کا فرض ہے کہ وہ اس آیت کے مطابق عمل کریں، اور حکم الہی کی تعمیل کریں۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جایا کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔

اس آیت پر عمل کرنے سے اطاعت الہی اور اطاعت رسول ﷺ ہوگی۔ اور ان کے حقوق بھی پوری طرح ادا ہو جائیں گے۔

آیت بالا کے اندر امانت کی ادائیگی اور حق داروں کے حقوق ان تک پہنچانے کا حکم کیا گیا ہے، تو اداء امانت اور اداء امانت میں عدل و انصاف یہی دو چیزیں، سیاست عادلہ (اصولوں پر مبنی سیاست) اور ولایت صالحہ (نیک حکمران) اور (اللہ کے ہاں قابل قبول) حکومت کا اصل مقصد ہے۔

نوٹ: امانت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو لوگوں پر (سول، پولیس، اور فوجی) حکام مقرر کرتے وقت بہترین صلاحیتوں (مثلاً: اللہ سے ڈرنے والے اور انتظامی امور کو سمجھنے اور بہترین طریقے سے انہیں ادا کرنے) کے حامل افراد کو (اقرباء پروری سے بچتے ہوئے) عدل و انصاف کے ساتھ مقرر کرنا اور دوسرا لوگوں تک ان کی معیشت یعنی مال و دولت کی منصفانہ تقسیم کرنا۔ چنانچہ کتاب کے پہلے چار ابواب (Chapters) میں لوگوں پر حکام و عمال (مثلاً: پولیس افسران، فوجی افسران، بینک افسران، ریلوے افسران، ہوائی جہازوں کے افسران، جج یعنی قاضی، اور ان کے ماتحت عملہ، اسی طرح اسکول ٹیچر، لیکچرار، پروفیسرز، اور ان کا ماتحت عملہ، مؤذن، امام، خطیب اور خادم مسجد وغیرہ) مقرر کرنے کے سلسلے میں رقم کئے گئے ہیں۔ جبکہ بعد میں مال و دولت کی تقسیم والی امانت کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

باب¹ (Chapter) کے مضامین

حاکم (مثلاً صدر، وزیر اعظم، وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر خزانہ، چیف جسٹس، آئی جی پولیس، چیف آف آرمی، نیوی اور ایئر اسٹاف) بننے کا مستحق کون ہے؟ نائین (مثلاً نائب صدر، نائب وزیر اعظم، ڈی آئی جی پولیس، اور سیکرٹری (خارجہ و داخلہ، مالیات، ہوم سیکرٹری)، نائین سلطان (صوبائی گورنرز، گورنر بینک دولت، وزراء اعلیٰ اور محکمہ جاتی وزراء) عدلیہ اور جج (ہائی کورٹس کے چیف جسٹس، ماتحت عدالتوں کے جج اور جج ریڈرز) سپہ سالار فوج (وائس چیف آف آرمی، نیوی اور ایئر اسٹاف) چھوٹے بڑے حکام (مثلاً ڈی، سی۔ اے، سی، مجسٹریٹ، کمشنر، کسٹم حکام اور ٹیکس افسران)۔ والیان اموال (صنعت و تجارت کے وزراء، بینک افسران) منشیان (گریڈ ایک سے سولہ تک کے ملازمین) وزارت خراج (جو پاکستان میں نہیں) صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے والے (جو پاکستان میں ناقابل عمل ہے) نقیب (ناظمین اور ناظمین اعلیٰ) اور دیگر منتخب نمائندے وغیرہ بنائے جانے کے مستحق کون ہیں۔

امانتیں ادا کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ”حکومت“ اور ”حاکم وقت“ ہے، آیت مذکورہ کے نزول کا یہی سبب ہے، رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو کعبۃ اللہ کی چابیاں آپ نے بنی شیبہ سے لے لیں۔ آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے طلب کیں کہ یہ چابیاں مجھے دے دی جائیں تاکہ حاجیوں کو پانی پلوانے کیساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی خدمت بھی اپنے لئے مخصوص کر لیں، اللہ تعالیٰ کو یہ ناگوار ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی اور کعبۃ اللہ کی چابیاں شیبہ کو دینے کا حکم ہوا۔ پس حاکم وقت کا یہ فرض ہے کہ مسلمانوں کا ہر کام انہی کو سپرد کریں جو اُس کام کے لئے صالح یعنی اللہ سے ڈرنے والے اور انتظامی امور کو سمجھنے اور بہترین طریقے سے انہیں ادا کرنے والے ﴿ہوں۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ صلاحیت

رکھتے ہوں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ وُلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَوَلَّى رَجُلًا. وَهُوَ يَجِدُ مَنْ هُوَ أَصْلَحُ
لِلْمُسْلِمِينَ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ.

جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر بھی کسی ایسے شخص کو والی، حاکم یا افسر بنادیا کہ اس سے بہتر
اور اہل المسلمین موجود ہے تو اس نے اللہ اور اللہ کے رسول سے خیانت کی۔

ایک دوسری روایت ہے:

مَنْ قَلَّدَ رَجُلًا عَمَلًا عَلَى عَصَابَةٍ وَهُوَ يَجِدُ فِي تِلْكَ الْعَصَابَةِ أَرْضِي مِنْهُ
فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَخَانَ رَسُولَهُ وَخَانَ الْمُؤْمِنِينَ. (رواہ الحاکم فی صحیحہ)

جس نے ”عصابہ“ یعنی فوج کے دستہ پر کسی ایسے آدمی کو فوج میں افسر مقرر
Select کیا کہ اس سے بہتر آدمی اس ”قومی عصابہ“ یعنی قومی فوجی دستے میں
کام کرنے کیلئے موجود ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ سے خیانت کرتا ہے، اس کے رسول سے خیانت
کرتا ہے اور اہل ایمان سے خیانت کرتا ہے۔

بعض علماء اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اپنے
بیٹے کو کہا تھا۔ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی اس کے راوی ہیں اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ وُلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَوَلَّى رَجُلًا لِمَوَدَّةٍ أَوْ قَرَابَةٍ بَيْنَهَا فَقَدْ
خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُسْلِمِينَ

جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر کسی ایسے آدمی کو والی، حاکم یا افسر بنایا جو اس سے محبت اور
دوستی رکھتا ہے، یا قربت دار اور رشتہ دار کو والی، حاکم یا افسر بنایا تو وہ اللہ اور اس کے رسول
اور عام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔

اس مسئلہ پر غور و فکر کرنا حاکم وقت، شعبہ جاتی وزیر، مشیر اور مجاز افسران کا اولین فرض ہے۔ اور

••••• 8 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

اس لئے فرض ہے کہ سیادت، ولایت اور حکومت کے اصل مستحق اور حقدار لوگوں سے بحث کی جائے کہ شہروں پر کیسے کمشنر، ڈپٹی کمشنر، تحصیلدار، آئی۔ جی، ڈی۔ آئی۔ جی اور ان کے نائب ایس۔ پی۔ ڈی۔ ایس۔ پی، نوڈ اور کسٹم انسپکٹرز وغیرہ، ایس۔ ایچ۔ او۔ پولیس کے چھوٹے بڑے عہدے دار اور حاکم ﴿یعنی﴾ گورنر، وزیر، مشیر، ناظم الامور اور ان کے نائب مقرر کئے جائیں۔ اور یہ لوگ فوج کے اعلیٰ وادنی افسران، لشکر اسلام کے سردار چھوٹے بڑے، مسلمانوں کا مال وصول کرنے والے وزراء، منشی، کاتب، خراج و صدقات، زمین کا محصول اور زکاۃ وصول کرنے والے اور اس میں کوشش کرنے والے وغیرہ جو مسلمانوں سے مال اور پیسہ وصول کرتے ہیں، سب شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے نائب اور ماتحت ایسے افسران مقرر کریں جو مسلمانوں کے لئے بہتر اور اصلاح کرنے والے ہوں۔ اور کوشش کریں کہ صلح ﴿زیادہ صلاحیتوں کے حامل﴾ کے ہوتے ہوئے غیر صلح ﴿یعنی﴾ کم صلاحیتوں کے حامل ﴿کو مقرر نہ کریں۔ اور یہ سلسلہ نماز کے اماموں، مؤذنوں، مقررین، معلموں اور امیر الحاج، کنوؤں چشموں کی دیکھ بھال کرنے والوں، مال کے محافظوں ﴿پہریداروں﴾، قلعوں کی حراست ﴿یعنی استقبالیہ کلرک (Receptionist) ٹیلی فون آپریٹرز اور چوکیداری (Gate Keeping etc.) کرنے والوں اور لوہار﴾ یعنی اسلحہ، گولہ و بارود بنانے والے ﴿جو قلعوں﴾ یعنی فیکٹریوں ﴿پر مامور ہوتے ہیں، قلعوں کے دربانوں، فوج و لشکر کے افسروں، قبائل کے شرفاء﴾ یعنی سردار ﴿اور ٹریڈ یونین کے عہدیداروں، دیہات اور قریوں کے دیہاتی روساء﴾ یعنی چوہدریوں، وڈیروں، جاگیرداروں اور خان زادوں ﴿وغیرہ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

ان لوگوں کا اولین فرض ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کے کسی کام میں والی، حاکم یا افسر مقرر کریں، اپنے ماتحت ایسے لوگوں کو کام سپرد کریں جو صلح ﴿زیادہ لائق اور بہتر منتظم﴾ ہوں، اور کام پر کافی قدرت و دسترس رکھتے ہوں۔ اور ان آدمیوں کو مقدم نہ رکھیں جو خود حاکم بننے اور حکومت لینے اور افسر بننا چاہتے ہوں یا اس کی طلب میں درخواست دی ہو بلکہ طلب کرنا اور درخواست دینا تو اُسے جگہ نہ

دینے کا ایک بہت بڑا سبب ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّ قَوْمًا دَخَلُوا عَلَيْهِ سَأَلُوهُ وَلَايَةً فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّي أَمْرًا هَذَا مَنْ طَلَبَهُ. (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ولایت ﴿یعنی کسی شعبہ میں افسر بننے﴾ اور حکومت ﴿یعنی گورنری﴾ طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم ایسے لوگوں کو گورنری یا افسری نہیں دیں گے جو خود ﴿یہ چیزیں﴾ مانگتے ہیں۔

اور عبدالرحمن بن سمرہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ الْأَمَارَةَ فَإِنَّكَ إِن أُعْطِيَتْهَا مِنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ اعْتَبَ عَلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيَتْهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وَكَلْتَ إِلَيْهَا. (بخاری و مسلم)

اے عبدالرحمن! تم امارت ﴿یعنی گورنری اور افسری﴾ نہ مانگو۔ اگر بغیر مانگے تم کو امارت ﴿و حکومت﴾ مل جائے تو تم کو اللہ کی جانب سے مد ملے گی۔ اگر مانگنے سے ملی تو تمہیں خود اس کا وکیل ﴿یعنی ذمہ دار﴾ بننا پڑے گا۔ ﴿اللہ کی﴾ امداد نہیں ملے گی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ طَلَبَ الْقَضَاءَ وَاسْتَعَانَ عَلَيْهِ وَكَلَّ إِلَيْهِ وَمَنْ لَمْ يَطْلُبِ الْقَضَاءَ وَلَمْ يَسْتَعِنْ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ. (رواہ اہل السنن)

جس نے قضاء طلب کی، (یعنی جسٹس یا قاضی وغیرہ بننے کیلئے درخواست دی) اور اس کے لئے کسی کی مدد چاہی تو یہ کام اسی کے سپرد ہوگا۔ اور جس نے قضا ﴿یعنی جسٹسی﴾ طلب نہیں کی اور اس کے لئے کسی کی مدد نہیں چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے فرشتہ بھیجے گا جو اس کو صحیح راستہ پر چلاتا رہے گا۔

••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام ••••• 10 •••••

پس اگر والی ﴿حاکم وقت، گورنر، یا کوئی بھی مجاز افسر﴾ جادہ استقامت سے ہٹ گیا یا زیادہ
 حقدار اور صالح کو چھوڑ کر کسی قربت یا ولاء عفاقتہ ﴿یعنی کسی شخص کیساتھ ناراضگی و دشمنی کی وجہ سے اُسے
 محروم رکھنے﴾ یا ولاء صداقتہ ﴿یعنی کسی شخص کیساتھ دوستی کی وجہ سے نوازنے﴾ کی وجہ سے یا کسی آبادی
 میں موافقت اور دوستی ہوگئی ہے اس لئے، یا مذہبی موافقت ﴿یعنی ہم مسلک ہونے﴾ کی وجہ سے، یا
 کسی اور طریقے سے، یا باہم ایک قومیت ہونے کی وجہ سے، مثلاً ایرانی، ترکی، رومی ہونے کی وجہ سے، یا
 رشوت کی وجہ سے، یا کسی دوسری سیاسی و سماجی اور معاشرتی منفعت کی وجہ سے، یا اس قسم کے دوسرے
 اسباب کی وجہ سے، یا ﴿زیادہ﴾ حقدار اور صالح ﴿یعنی بہتر منتظم﴾ سے کینہ و عداوت رکھتا ہے، اس لئے
 مستحق، حقدار اور زیادہ اصلاح کرنے والے کو چھوڑ کر غیر حقدار، غیر مستحق اور غیر صالح کو مقرر کیا تو یقیناً وہ
 اللہ اور اللہ کے رسول اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کر رہا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا
 ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ
 تَعْلَمُونَ (انفال ع ۳)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت
 کرو، اور تم تو خیانت کے وبال سے واقف ہو۔
 اس کے بعد ہی فرمایا۔

وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (انفال)

اور جانتے رہو کہ تمہارے مال، اور تمہاری اولاد ایک فتنہ ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ وہ ذات
 ہے کہ اس کے ہاں بڑا اجر موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اس لئے فرمایا کہ بسا اوقات آدمی اپنے بچے اور غلام سے محبت کی وجہ سے ملک کے کسی
 حصہ کی ولایت ﴿یعنی گورنری اسے﴾ دے دیتا ہے، اور غیر مستحق کو حکومت دے دیتا ہے تو یقیناً وہ

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 11 •••••

امانتِ الہی میں خیانت کرتا ہے۔ اسی طرح وہ مال کی کثرت و فراوانی کو پسند کرتا ہے، اس کو محفوظ کرنے کے لئے غیر مستحق لوگوں کو ترجیح دیتا ہے اور وہ خواہ مخواہ ﴿لوگوں سے بھتہ وغیرہ کی شکل میں﴾ مال وصول کرتے ہیں۔ یا بعض اقلیموں ﴿صوبوں، ریاستوں اور جاگیروں﴾ کے والیوں ﴿وزیروں﴾ اور حاکموں کو وہ ایسا پاتا ہے کہ وہ مہانت ﴿خوشامدی﴾ اور چالوسی کرتے ہیں مگر یہ ان سے ڈرتا ہے اور ان کو اپنے سے دور رکھنا چاہتا ہے، اس لئے ﴿ایسے﴾ غیر مستحق کو حقدار ﴿یعنی حاکم و افسر وغیرہ﴾ بنا کر بھیج دیتا ہے، تو یہ آدمی یقیناً اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے خیانت کرتا ہے، اور اس امانت میں خیانت کرتا ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔

اور پھر یہ کہ امانتدار (یعنی باختیار افسر یا حاکم) اگر اپنی خواہش اور ہوا ﴿یعنی چاہت﴾ کی مخالفت کرے اور اللہ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ثابت قدم رکھتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کے اہل و عیال اور مال کی اس کے بعد بھی حفاظت کرتا ہے، اور جو آدمی اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے مقصد اور ارادوں کو توڑ دیتا ہے، اسکی اولاد و عیال کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیتا ہے، اور اس کا وہ سارا مال ﴿ضائع﴾ چلا جاتا ہے۔

اس بارے میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے وہ یہ کہ خلفاء بنو عباس میں سے کسی نے بعض علماء کو کہا کہ کچھ حالات جو تمہارے دیکھے ہوئے یا سُنے ہوئے ہوں لکھ دیں۔ اس نے کہا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو میں نے دیکھا ہے کسی نے ان سے کہا: امیر المؤمنین! اس مال کو آپ نے اپنے بیٹوں سے دور رکھا ہے اور انہیں فقیر و بے نوا چھوڑ دیا ہے، کوئی چیز آپ نے ان کیلئے نہیں چھوڑی۔ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھے، انہوں نے کہا اچھا میرے لڑکوں کو میرے سامنے لاؤ۔ لڑکے لائے گئے جو دس سے زیادہ تھے، اور سب کے سب نابالغ تھے۔ لڑکوں کو دیکھ کر رونے لگے اور کہنے لگے، میرے بیٹو! جو تمہارا حق تھا وہ میں نے تم کو پورا پورا دے دیا ہے، کسی کو محروم نہیں رکھا اور میں لوگوں کا مال تم کو دے نہیں سکتا، تم میں سے ہر ایک کا مال یہ ہے کہ یا تو وہ صالح نیک

••••• حکمران پیورہ کر لیں اور عوام ••••• 12 •••••

بجٹ ہوگا تو اللہ تعالیٰ صالح اور نیک بندوں کا والی اور مددگار ہے۔ یا غیر صالح ہوگا اور غیر صالح کے لئے میں کچھ بھی چھوڑنا نہیں چاہتا کہ وہ اس مال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ﴿نافرمانی﴾ میں مبتلا ہوگا۔ قُومُوا عَنِّي! بس سب جاؤ میں اتنا ہی کہنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے اُنہی عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی اولاد میں سے بعض کو میں نے دیکھا ہے کہ سو گھوڑے فی سبیل اللہ دیتے تھے کہ مجاہدین اسلام ان پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

اس کے بعد اس نے کہا، عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ خلیفہ المسلمین تھے، اقضاء مشرق بلاد ترک وغیرہ پر، اقضاء مغرب بلاد اندلس وغیرہ پر قابض تھے، جزائر قبرص اور حدود شام اور طرسوس وغیرہ کے قلعوں پر حکومت و فرمانروائی کرتے تھے، یمن کی انتہائی سرحدوں میں جن کی حکومت پھیلی ہوئی تھی، باوجود اس کے ان کی اولاد نے باپ کے ترکہ میں سے تھوڑی چیز پائی تھی اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ بیس بیس درہم سے بھی کم تھی۔

پھر اس عالم میں! میں نے بعض ایسے خلفاء بھی دیکھے ہیں جنہوں نے اپنا ترکہ اتنا چھوڑا کہ ان کے مرنے کے بعد جب لڑکوں نے باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں چھ چھ کروڑ اشرفیاں آئی تھیں، لیکن میں نے ان لڑکوں میں سے بعض کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ لوگوں کے سامنے بھیک مانگا کرتے تھے۔

اور بے شمار حکایتیں اور چشم دید واقعات اور اگلوں سے سنے ہوئے حالات اس بارے میں موجود ہیں جو عقلمندوں اور ارباب بصیرت کی عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اور سنت نبوی ﷺ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت و امارت ﴿گورنری و افسری﴾ اور حکومت بھی ایک امانت ہے، جس کا ادا کرنا واجب ہے، اور مختلف مواقع پر حفظ ماتقدم کی طرح اس کا ذکر ہے مثلاً سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو امارت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهَا أَمَانَةٌ وَأَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِنْ أَلَمَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا. وَأَدَّى الَّذِي

عَلَيْهِ فِيْهَا. (رواه مسلم)

یہ حکومت و امارت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن یہ امارت خواری اور ندامت کا موجب ہے مگر یہ کہ امارت کو حق کے ساتھ لیا۔ اور اس کے حقوق کو اس میں پوری طرح ادا کیا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری کے اندر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:
 أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِذَا ضُيِّعَتِ الْاٰمَانَةُ فَاُنْتَظِرِ السَّاعَةَ. قِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا ضَاعَتْهَا؟ قَالَ اِذَا وُسِدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهِ فَاُنْتَظِرِ السَّاعَةَ (رواه البخاری)
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امانت ضائع کی جانے لگے تو ساعت ﴿قیامت﴾ کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ! امانت ضائع کرنا کسے کہتے ہیں؟
 آپ ﷺ نے فرمایا: جب امور حکومت اور سرداری و افسری نااہلوں کے سپرد کی جائے تو تم قیامت ﴿اور یعنی مسلمانوں کی بربادی﴾ کا انتظار کرو۔

اور اسی معنی کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یتیم کا والی وصی ﴿پرورش کرنے والا﴾ ناظر اوقاف ﴿دیکھ بھال کرنے والا﴾ اور کسی آدمی کا کوئی وکیل ہو، اور اسکے مال میں تصرف کرے تو الا صلح فالصلح کے اصول کے تحت تصرف کرے جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (سورة الانعام)

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو احسن ہو یعنی سب سے اچھا ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ”بِالَّتِيْ هِيَ حَسَنَةٌ“، یعنی اس طریقے سے جو اچھا ہو،

اور یہ اس لئے کہ والی اور حاکم ایسا ہی لوگوں کا راعی ﴿یعنی ذمہ دار﴾ ہے جیسا کہ بکریوں کا راعی

﴿چرواہا ذمہ دار﴾ ہوا کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَاِلَا مَآمُ الَّذِيْ عَلٰى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ

مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَاعِيَّتِهَا. وَالْوَلَدُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. وَالْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. إِلَّا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (بخاری و مسلم)

تم میں سے ہر ایک راعی ﴿ذمہ دار حاکم﴾ ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا، پس حاکم وقت لوگوں کا، راعی ﴿ذمہ دار﴾ ہے اور اس سے اپنی رعیت ﴿رعایا اور عوام الناس﴾ کا سوال ہوگا۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی راعی ﴿ذمہ دار﴾ ہے اور اس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا، اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا راعی ہے، اور اس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ اور غلام اپنے سید و آقا اور مالک کے مال کا راعی ہے اور اس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ خبردار رہو کہ تم میں سے ہر ایک راعی ﴿ذمہ دار حاکم﴾ ہے اور ہر ایک سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:-

مَا مِنْ رَاعٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ عَاشٍ لَهَا. إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ رَاحَةَ الْجَنَّةِ. (رواہ مسلم)

کوئی راعی (ذمہ دار حاکم) نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے رعیت کا راعی بنایا جس دن مرے گا مرے گا۔ اور وہ رعیت کے بارے میں غاشی ﴿غاصب اور دھوکہ باز﴾ ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام کر دے گا۔

ایک دن سیدنا ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان کے پاس حاضر ہوئے اور کہا السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَجِيرُ لوگوں نے کہا أَيُّهَا الْأَمِيرُ کہتے تو انہوں نے پھر السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَجِيرُ کہا۔ لوگوں نے پھر کہا أَيُّهَا الْأَمِيرُ کہتے تو پھر انہوں نے وہی جملہ دہرایا تین دفعہ اسی

••••• 15 ••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

جملہ کو انہوں نے دہرایا اور لوگ اس پر اصرار کرتے رہے کہ آپ سے اِيْثُهَا الْاَمِيْرُ کہلوائیں۔ آخر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو مسلم کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، وہ اپنی بات کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد سیدنا ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا اے معاویہ رضی اللہ عنہ تم اجیر ہو۔ ان بکریوں کے ریوڑ کے لئے تم کو ان بکریوں کے رب نے اُجرت پر رکھا ہے۔ اگر تم خارش زدہ بکریوں کی خبر گیری کرو گے اور مریض بکریوں کی دوا کرو گے اور ان بکریوں کی اچھی طرح حفاظت کرو گے، تو بکریوں کا مالک تمہیں پوری اُجرت دے گا۔ اور اگر تم نے خارش زدہ بکریوں کی خبر گیری نہ کی، مریض بکریوں کی دوا نہ کی، بکریوں کی اچھی طرح حفاظت نہ کی تو بکریوں کا مالک تم کو سزا دے گا۔

یہ واقعہ عبرت و نصیحت کے لئے کافی ہے کیونکہ ساری مخلوق اللہ کے بندے ہیں۔ اور ملک کے حکمران اس کے بندوں پر اس کے نائب ہیں، اور بندوں کی جانوں کے وکیل و کفیل۔ اور ایسے وکیل و کفیل کہ دوشریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل و کفیل ہوا کرتے ہیں۔ والیوں اور حاکموں میں ولایت و کالت کے معنی موجود ہیں۔

جب ولی ﴿یعنی حاکم وقت﴾ اور وکیل ﴿جیسے گورنر، وزیر، مشیر اور باختیار افسر وغیرہ﴾ صلح للتجارة ﴿یعنی جو شخص صنعت و تجارت اور اُمورِ خزانہ کو بہتر سمجھتا ہو﴾ یا زمین کے بارے میں جو صلح ﴿بہتر علم رکھتا اور منتظم﴾ ہو، اُسے چھوڑ کر ایسے شخص کو نائب مقرر کرے کہ وہ صلح للتجارة نہیں ہے، اور زمین کے بارے میں بھی وہ غیر صلح ﴿یعنی نا اہل﴾ ہے تو یقیناً وہ ﴿حاکم وقت یا گورنر و افسر﴾ خائن ﴿یعنی امانت میں خیانت کرنے والا﴾ ہے۔ کیونکہ جو صلح للتجارة ﴿یعنی اہل﴾ نہیں ہے وہ سامان و اسباب کو سستے داموں فروخت کر دے گا حالانکہ اس خریدار سے اچھا اور بہتر دوسرا خریدار موجود ہے، دام زیادہ دینے کو تیار ہے، پھر بھی ﴿ایسے﴾ خریدار سے بوجہ خوف کے یا بوجہ دوستی اور مودت کے یا قرابت کی وجہ سے سستے داموں مال کو اٹھا دیتا ہے ﴿یعنی بیچ دیتا ہے اسی طرح کسی چیز کا ٹھیکہ دیتا ہے﴾ تو یقیناً یہ ﴿حاکم و مجاز افسر﴾ خائن ہے۔ مال کا مالک یقیناً اس سے بغض رکھے گا۔ اور اس کی مذمت اور

••••• 16 ••••• حکمران پیور و کرہی اور عوام

برائی کرے گا۔ اور اس کو خائن قرار دے گا۔ یا قرا بتداروں اور دوستوں کو نوازنے والا کہے گا۔ اور اس لئے والی ﴿حاکم وقت﴾ اور وکیل ﴿مجاز افسر﴾ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو نائب نہ بنائے۔ اور جو اصلح للتجارة ہو یا زمین وغیرہ کے بارے میں اچھی مہارت رکھتا ہو، اس کو نائب مقرر کرے۔

باب ۲ (Chapter) کے مضامین

اصلح ﴿زیادہ اہل﴾ موجود ہے تو اسے ولایت ﴿امارت﴾ و حکومت دینی چاہیے، اگر اصلح موجود نہیں ہے تو صالح ﴿نیکو کار﴾ کو ولایت ﴿امارت﴾ و حکومت دی جائے۔ ہر منصب کیلئے الا مثل فلا مثل ﴿یعنی زیادہ بہتر شخص﴾ کو ولایت ﴿گورنری﴾ و نیابت ﴿افسری﴾ دی جائے۔ ولایت ﴿حاکم و ذمہ دار بننے﴾ کیلئے قوت اور امانت ضروری ہے تاکہ نفاذ احکام اور ادائیگی امانت میں سہولت پیدا ہو۔ قاضی ﴿منج﴾ تین قسم کے ہیں۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ولی الامر ﴿حاکم وقت﴾ کا فرض کیا ہے؟ ولی الامر ﴿حاکم وقت﴾ کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسے آدمی کو عامل ﴿ذمہ دار﴾ نائب اور والی و حاکم ﴿افسرو گورنر﴾ بنائے جو اصلح ﴿زیادہ اہل اور اچھا منتظم﴾ ہو۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کام کے لائق آدمی موجود نہیں ہوتا۔ اور ایسے شخص کا ملنا دشوار ہوتا ہے، جس میں کام کی صلاحیت موجود ہو۔ تو اس وقت ولی الامر ﴿حاکم وقت﴾، گورنر و ذمہ دار افسر ﴿حاکم وقت﴾ کا فرض ہے کہ الا مثل فلا مثل ﴿زیادہ بہتر شخص﴾ کو مقرر کرے۔ ہر منصب اور ہر عہدے کے مناسب حال الا مثل فلا مثل کو قائم کرے اگر پورے اجتہاد، پوری کوشش اور جدوجہد کے بعد والی امر ﴿حاکم وقت یا ذمہ دار﴾ نے ایسا کر دیا، اور ولایت و نیابت کا

••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام ••••• 17 •••••

حق ادا کر دیا، تو اس نے اپنا فرض پوری طرح ادا کر دیا تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام والی امر ﴿حاکم وقت اور ذمہ دار﴾ عادل ہے اور اللہ کے نزدیک وہ مقسطین ﴿انصاف کرنے والوں﴾ میں سے ہے اگرچہ بعض وجوہ اور بعض اسباب کی بنا پر بعض امور میں خلل واقع ہو جائے لیکن اس کے سوا دوسرا امکان اور چارہ کار بھی نہیں ہے اور اللہ نے بھی اسی قسم کی کوشش کا حکم فرمایا ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن ع ۲)

مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور فرماتا ہے:-

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ ع ۴۰)

اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جس کی اس کو طاقت ہو۔

اور جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:-

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ (نساء ع 11)

تو تم اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑو تم پر اپنی ذات کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں اور ہاں مسلمانوں کو بھی ابھارو۔

اور فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

(مائدہ ع 14)

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو جب تم راہِ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پس جس نے اپنی مقدور بھرا مکانی کوشش کی اور اپنا فرض ادا کیا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے ہدایت کی راہ پالی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اخراجہ فی الصحیحین)

جب میں تم کو کسی کام کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق کر گزرو۔

لیکن اگر وہ ﴿حاکم و ذمہ دار﴾ ایسا کرنے سے اس لئے قاصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز ﴿بزدل﴾ پاتا ہے یا کسی غیر شرعی ضرورت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے، تو وہ یقیناً خیانت کرتا ہے۔ اور اُسے خیانت کی سزا دی جائے گی۔ اور اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ صلح ﴿اہل اور اچھے منتظم﴾ کو پہچانے اور ہر منصب اور ہر عہدہ کے لئے صلح ﴿اہل اور اچھے منتظم﴾ تجویز کرے کیونکہ ولایت امر ﴿یعنی حاکم وقت سے بیوروکریسی اور چھوٹے نوکروں تک کی ذمہ داری﴾ کے دور کن ہیں ”ایک قوت دوسری امانت“ جیسا کہ قرآن مجید کے اندر ہے:-

إِنَّ خَيْرَ مَنْ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (قصص ع ۳)

کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا چاہئے۔

اور شاہ مصر نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کہا ہے:

إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ (یوسف ع ۷)

تم ہماری سرکار میں آج سے بڑے باوقار اور صاحب اعتبار ہو۔

جبریل علیہ السلام کی شان اور صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ . ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ . مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ

(تکویر ع ۱)

قرآن بیشک معزز فرشتے کا پہنچایا ہوا پیام ہے اور وحی کے بارگراں اٹھانے کی طاقت رکھتا

ہے۔ اور مالک عرش کی جناب میں اس کا بڑا درجہ ہے اور وہاں افسر اور امانت دار ہے۔

اور ہر ولایت، ہر حکومت کی قوت اور طاقت اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے۔ امارتِ حرب

ولایتِ جنگ ﴿وزارتِ جنگ﴾ کی قوت یہ ہے کہ والی جنگ ﴿سپہ سالار﴾ شجاع، بہادر، دلیر اور

••••• 19 ••••• حکمران پیور کریسی اور عوام

جنگ کے تمام تر اُمور سے واقف اور ماہر ہو اور مخادعت (دھوکہ دہی) اور چال بازیوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔ کیونکہ الْحَرْبُ خَدْعَةٌ (جنگ فریب اور دھوکہ کا نام ہے) اور یہ کہ وہ قتال و جنگ کے طریقوں کو جانتا ہو اور ان طریقوں پر عمل کرنے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہو۔ تیر اندازی ﴿نشانہ بازی﴾ سے اچھی طرح واقف ہو، حملہ اور وار اچھی طرح کر سکتا ہو، گھوڑے ﴿اور ٹینک، بکتر بند گاڑی، لڑاکا طیارے اور بحری جہازوں﴾ کی سواری خوب جانتا ہو۔ کروفر ﴿اسلحہ و بارود اور دیگر ساز و سامان﴾ وغیرہ پوری طرح رکھتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ. (انفال ع ۸)

اور مسلمانو! سپاہیانہ قوت اور گھوڑوں کے باندھنے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلہ کے لئے ساز و سامان مہیا کئے رہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

إِذْمُؤُوا وَارْكَبُوا. وَإِنْ تَرُمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوا وَمَنْ تَعْلَمَ الرَّمْيَ ثُمَّ نَسِيَهُ فَلَيْسَ مِنَّا.

تیر مارا کرو ﴿یعنی راکٹ اور میزائل چلایا کرو﴾ اور سواری کیا کرو اور تیر ﴿راکٹ و میزائل﴾ چلانا مجھے ﴿لڑاکا جیٹ جہازوں کی﴾ سواری سے زیادہ محبوب ہے اور جو تیر چلانا ﴿یعنی نشانہ بازی﴾ سیکھا پھر بھول گیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔

ایک اور روایت میں ہے:-

فَهِيَ نِعْمَةٌ جَعَدَهَا (رواہ مسلم)

تیر ﴿وگولی﴾ چلانا ایک نعمت ہے بھولنے والے نے اس نعمت سے انکار کر دیا۔

اور ”قوت“ حکم کا مرجع علم ﴿حاصل کرنے﴾ اور عدل ﴿وانصاف قائم کرنے﴾ کے لئے ضروری

ہے ﴿اور قدرت تنفیذ احکام﴾ یعنی ”قوت“ ہی سے اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی قدرت میسر آتی ﴿

ہے جس پر کتاب وسنت دلالت کرتی ہے۔

اور امانت کا مرجع خشیت الہی اور اللہ کا خوف ہے اور یہ کہ حقوق الہی کو دنیا کی متاعِ قلیل ﴿نا جائز مال و دولت﴾ کے عوض فروخت نہ کرے۔ اور لوگوں کا خوف قطعاً ترک کر دے۔
یہ تین خصلتیں ﴿قوت، امانت اور خشیت الہی﴾ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر والی، ہر حاکم، ہر ولی الامر اور ہر حکم ﴿یعنی قاضی اور جج﴾ کے لئے فرض اور ضروری قرار دیا ہے اور قرآن حکیم اس پر ناطق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاحْشَوْنَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (مانندہ ع ۷)

اور تم لوگوں سے نہ ڈرو اور ہم سے ہی ڈرتے رہو اور ہماری آیتوں کے معاوضے میں نا چیز
فائدے نہ لو۔ اور جو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم ﴿یعنی فیصلہ﴾ نہ کرے تو
یہی لوگ کافر ہیں۔

اور اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے قاضیوں ﴿ججوں﴾ کی تین قسمیں گردانی ہیں۔ جن میں سے دو قسم
کے قاضیوں کے لئے جہنم بتلائی ہے اور ایک قسم کے قاضیوں کے لئے جنت۔
نبی کریم ﷺ نے فرمایا :-

الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ. قَاصِيَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَلِمَ الْحَقَّ
وَقَضَىٰ بِهِ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ (رواہ اہل السنن)

قاضی ﴿یعنی﴾ تین قسم کے ہیں۔ دو قسم کے قاضی ﴿جج﴾ جہنم میں جائیں گے اور ایک
قسم کے قاضی ﴿جج﴾ جنت میں۔ پس وہ آدمی جو حق کو پہچان کر حق فیصلہ کرے وہ جنت
میں جائے گا۔

اور قاضی ﴿جج﴾ ہر اس آدمی کو کہتے ہیں جو دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ اور دونوں فریق

••••• 21 ••••• حکمران پیور و کرسی اور عوام

کو حکم دے۔ اب وہ شخص خلیفہ ہو یا سلطان یا اس کا نائب ﴿یعنی گورنر﴾ ہو، یہاں تک کہ بچوں کی تحریر و خط کے جو گمران ﴿اساتذہ﴾ ہیں ان کو بھی یہ حکم شامل ہے، ایسا ہی ذکر اصحاب رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ اور وہ ایسا ہی کرتے تھے اور یہ ظاہر ہے۔

باب 3 (Chapter) کے مضامین

آج دنیا میں ایسے لوگ جن میں قوت اور امانت دونوں موجود و مجتمع ہوں کم ہیں۔ دو آدمی ایسے کہ ایک ان میں سے امین ہے، دوسرا طاقتور تو ایسے آدمی کو ولایت امر اور سرداری دینی چاہئے جو قوم و رعایا کے لئے مفید و نافع ہے، قوم و رعایا کو نقصان نہ پہنچے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا دو آدمی ہیں ایک جنگجو، شجاع اور دلیر ہے لیکن فاجر ہے۔ دوسرا صالح نیک مگر کمزور کم ہمت۔ کس کے ساتھ رہ کر جہاد کیا جائے؟ انہوں نے فرمایا: فاجر قوی کے ساتھ رہ کر، کیونکہ قوت مسلمانوں کے لئے ہے، اور اس کا فوجور اس کی جان کے لئے، اور صالح اور نیک اس کے بالکل برعکس ہے۔

قوت اور امانت دونوں کسی ایک آدمی میں جمع ہوں ایسے لوگ آج بہت کم ہیں۔ اور اسی بنا پر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:-

اَللّٰهُمَّ اَشْكُوْا اِلَيْكَ جَلْدَ الْفَاجِرِ وَمِجْزَ الْبُقَّةِ.

اے اللہ! میں تیری جناب میں فاجر کی سختی اور بُزدل کی عاجزی کا شکوہ کرتا ہوں۔

پس ہر ولایت ﴿وزارت﴾، ہر اقلیم ﴿صوبے و جاگیر﴾، ہر ملک کے لئے باعتبار اس کی مرزبوم کے صلح تلاش کرنا چاہئے، جب کسی اقلیم، کسی ملک کے لئے امام والی اور حاکم مقرر کرنا چاہتا ہے تو ایسے دو آدمی ملتے ہیں۔ ایک امانت دار ہے، دوسرا طاقتور ہے۔ امام کا فرض ہے کہ اس اقلیم و ملک اور

••••• 22 ••••• حکمران پیور کر لیں اور عوام

ولایت کے لئے اُسے مقدم رکھے جو اس اقلیم و ملک اور ولایت کے لئے زیادہ مفید اور زیادہ نفع بخش ہو اور ضرر و نقصان اس سے کم سے کم ہو۔

پس امارتِ حرب ﴿وزارتِ جنگ﴾، جہاد و جنگ کی سرداری ﴿سپہ سالاری﴾ کے لئے ایسا آدمی مقرر کرے جو قوی، دلیر، شجاع اور بہادر ہو، اگرچہ وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ اور ضعیف، عاجز و کمزور کے مقابلہ میں اسے ترجیح دے، اگرچہ وہ امین ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: دو آدمی ہیں، دونوں کے دونوں حرب و جہاد کے امیر و سردار ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک فاجر مگر قوی ہے، دوسرا صالح اور نیک ہے مگر ضعیف و کمزور ہے، تو دونوں میں سے کس کے ساتھ رہ کر جہاد کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا: فاجر قوی کی قوت مسلمانوں کے لئے ہے اور اس کا فسق و فجور اس کی اپنی جان کے لئے ہے۔ اور صالح و نیک ضعیف و کمزور ہے تو اس کی صلاح و نیک بختی اس کی جان کے لئے ہے۔ اور مسلمانوں کے ضعف کا موجب ہے۔ تو جہاد قوی و فاجر کیساتھ رہ کر کرنا چاہئے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّا اللَّهُ يُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ.

بیشک اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر آدمی سے بھی اس دین کی مدد کر دیتا ہے۔

اور ایک روایت بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (فاجر آدمی) کی جگہ بِأَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ کے الفاظ استعمال کئے (یعنی ایسی قوم اور ایسے لوگوں سے مدد کر دیتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں)

پس اس وقت جبکہ امیر و سالار قوی القلب، شجاع و بہادر اور دلیر میسر نہ آئے اور اس جگہ کو پُر کرنے کے لئے کوئی ایسا آدمی نہ مل سکے جو امیر حرب ﴿وزیر جنگ﴾ اور سالارِ جنگ مقرر کیا جائے تو اس وقت صلح فی الدین ﴿متقی و پرہیزگار﴾ کو مقرر کر دے اور اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امارتِ حرب دی اور سپہ سالارِ اسلام بنایا تھا۔ جب سے وہ اسلام لائے تھے اس وقت سے یہ خدمت انہی کے سپرد رہی اور ان کی شان میں آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

سَيْفُ سَلَّةِ اللَّهِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ.

خالد ایسی تلوار ہیں جو اللہ نے مشرکوں کی ہلاکت کے لئے کھلی رکھی ہے۔

باوجود اس کے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کبھی کبھی ایسی حرکتیں ہوا کرتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسے بُرا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا تھا:

اللَّهُمَّ اَبْرَأْ اِلَيْكَ مِمَّا فَعَلَ خَالِدٌ.

اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے، اس سے میں بری ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت کہا تھا جبکہ آپ نے خالد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ جزیمہ کی طرف بھیجا تھا۔ اور خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کر دیا تھا، اور معمولی شبہ کی بنا پر ان کا مال و متاع لوٹ لیا تھا۔ حالانکہ یہ جائز نہیں تھا، اور ان کے ساتھ جو صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے انہوں نے بھی اس حرکت سے ان کو روکا تھا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جزیمہ سے ہمدردی برتی، الفت و محبت کا اظہار فرمایا اور ان کا مال و متاع واپس کرنے کی ضمانت دی۔ باوجود اس قسم کی لغزشوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ امارت لشکر اور فوج کی قیادت میں اُنہی کو مقدم رکھا۔ اور یہ اس لئے کیا کہ اُمور جنگ میں وہ دوسروں کے مقابلہ میں صلح صلح اہل صلح تھے۔ اور غلطی معمولی سے معمولی تاویلوں کی بناء پر کر لیا کرتے تھے۔ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اگرچہ امانت و صداقت میں صلح صلح یعنی بڑھ کر صلح تھے لیکن باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا:

يَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاكَ ضَعِیْفًا وَاِنِّیْ اَحَبُّ مَا اَحَبُّ لِنَفْسِیْ لَا تَأْمُرَنَّ عَلٰی اَنْفِیْنِ وَلَا تُوَلِّیْنِ مَالَ یَتِیْمٍ (رواہ مسلم)

اے ابوذر! میں تمہیں ضعیف و کمزور پاتا ہوں۔ اور تمہارے لئے میں وہی پسند کرتا ہوں جو میں خود اپنے لئے پسند کرتا ہوں، تم کسی دو آدمیوں کا بھی امیر نہ بننا اور یتیم کے مال کی کبھی ولایت ولایت سرپرستی و حفاظت ولایت نہ کرنا۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ نے امارت اور ولایت سے منع فرمایا حالانکہ آپ سے مروی ہے:

مَا أَظَلَّتِ الْخَضِرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْعَبْرَاءُ أَصْدَقُ لَهْجَةٍ مِنْ أَبِي ذَرٍّ.

نہ سبز گنبد نے سایہ کیا، نہ غبار مٹی نے جگہ دی، ابی ذر سے زیادہ سچے کو۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غزوہ ذات سلاسل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے بھیجا تھا وہاں ان کے رشتہ دار و قرابندار رہتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مہربانی کا برتاؤ کرنا چاہتے تھے، اُن سے بہتر آدمی موجود تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں بھیجا اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی کو بھیجا۔

اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت اس لئے دی کہ ان کے باپ کا بدلہ لے سکیں۔

غرض یہ کہ بعض لوگوں کو کسی مصلحت راج کی بنا پر عامل اور گورنر بنا دیتے تھے، حالانکہ ان سے بہتر اور افضل، اور علم و ایمان کے لحاظ سے بہت اچھے موجود ہوتے تھے۔

اسی طرح خلیفہ امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، فتنہ ارتداد جب کھڑا ہو گیا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ہی امیر لشکر بنایا تھا۔ اور فتوح عراق و شام میں بھی انہیں کو امیر و سالار بنا کر بھیجا تھا، حالانکہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے تاویل کی بنیاد پر بعض ہفوات صادر ہوتی رہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ ان ہفوات میں ان کی خواہش کو دخل تھا لیکن پھر بھی ان کو معزول نہیں کیا بلکہ عتاب کر کے چھوڑ دیا۔ اور مصلحت کو مفسدہ کے مقابلہ میں ترجیح دی، اور انہی کو باقی رکھا کہ کوئی دوسرا ان کا قائم مقام بن سکے ایسا نہیں تھا۔

علاوہ ازیں یہ کہ جب متولی کبیر، خلیفہ، والی، امیر رضی اللہ عنہ حاکم وقت رضی اللہ عنہ کے خلق میں نرمی ہو تو اسکے نائب میں شدت و سختی ہونا چاہئے۔ اور اگر متولی کبیر اور امیر میں سختی ہو تو نائب میں نرمی ہونی چاہئے تاکہ ایک کی سختی اور دوسرے کی نرمی سے اعتدال قائم رہے، اور اسی بناء پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو باقی اور قائم رکھنے پر مصر تھے۔ اس لئے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نرم دل نرم خو تھے، اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو معزول کرنا چاہتے تھے اور ان کی جگہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو لانا چاہتے تھے، اس لئے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ میں سختی تھی جیسی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں سختی تھی اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نرم دل نرم

••••• 25 ••••• عکراں پیور و کر لسی اور عوام

خو تھے جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اس وقت صلح ﴿بہتر﴾ وہی تھا جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں لشکر اسلام کے سپہ سالار رہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لشکر اسلام کے والی ﴿سپہ سالار﴾ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح رہے۔ اور اس طرح معاملہ اعتدال پر رہا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے یہ فرمایا:

أَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ . أَنَا نَبِيُّ الْمَلْحَمَةِ

میں نبی رحمت ہوں اور میں نبی ملحمہ (حرب و جنگ) ہوں۔

اور آپ کا ارشاد ہے:-

أَنَا لُصْحُوكُ الْقِتَالِ وَ أُمْتِي وَسُطٌّ.

میں زیادہ خندہ پیشانی لڑنے والا ہوں اور میری امت وسط ہے۔

اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ طَرَاهُمْ رُكْعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ

اللَّهِ وَرِضْوَانًا (فتح ع ۴)

کافروں کے حق میں بڑے سخت اور آپس میں رحم دل۔ تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلب گاری میں لگے ہیں۔

اور اللہ کا فرمان ہے:

أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ (مائتہ ع ۸)

مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کیساتھ کڑوے ہیں۔

اور اسی وجہ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ولایت و امارت کامل تھی اور ولایت

••••• 26 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

﴿حکومت﴾ کے معاملات کامل طریقہ پر انجام پاتے رہے اور اعتدال قائم رہا۔ اور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یہ دونوں اپنی اپنی جگہ دوبازو سمجھے جاتے تھے۔ ایک نرم دل، نرم خوتھے، دوسرے سخت دل اور سخت طبیعت تھے اور خود نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کی شان میں فرمایا:

اِقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي.

میرے بعد تم ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور عمر (رضی اللہ عنہ) کی اقتداء کرنا۔

چنانچہ مرتد ﴿مکرین زکوٰۃ﴾ کے مقابلہ میں جنگ کرنے کیلئے سیدنا ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے شجاعتِ قلب ﴿دلی قوت﴾ کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ سیدنا عمر (رضی اللہ عنہ) بھی حیران تھے اور اس کی امید قطعاً نہیں رکھتے تھے اور تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی اس سے بے خبر تھے اور کہتے تھے صرف زکوٰۃ سے انکار کرنے پر آپ جہاد کیسے کرتے ہیں۔

پس اگر امانت وغیرہ کی ولایت اور امارت ہے، اور شدید و سخت آدمی کو مقدم رکھا جائے، مثلاً مال کی حفاظت وغیرہ میں سخت آدمی کی ضرورت ہے لیکن مال نگلوانا اور اس کی حفاظت کے لئے قوت اور امانت کی ضرورت ہے اور اس لئے قوی اور سخت امیر و حاکم کی ضرورت ہے کہ اس کی طاقت سے مال وصول کیا جاسکے۔ اور امین کا تب و نشی کی ضرورت ہے کہ ان کی قابلیت سے مال محفوظ رہے، اور مال کی حفاظت ہو سکے اور یہی حال و حکم ہے امارتِ جنگ کا، صاحبِ علم و دین کے مشورے سے امیر جنگ سپہ سالار قائم کیا جائے، اور یہ ہر دو مصلحتیں ملحوظ رکھی جائیں اور یہی حال و حکم تمام ولایتوں ﴿حکومتوں﴾، اور ہمہ قسم کی امارتوں ﴿وزارتوں﴾ کا ہے۔

اگر ایک آدمی سے مصلحت امارت پوری نہ ہو سکے تو دو یا تین یا زیادہ آدمی رکھے جائیں۔ اور ترجیح اصلح ﴿بہتر﴾ کو دی جائے۔ اور متعدد والی، گورنر اور سردار مقرر کئے جائیں، جب ایک سے کام انجام نہ پاتا ہو، بہر حال اصلح ﴿بہتر﴾ کو مقدم رکھا جائے۔

اور ولایت قضاء (عدلیہ کے ججوں) کیلئے علم ﴿قرآن و حدیث کا سب سے بڑا عالم﴾ اور ع

••••• 27 ••••• حکمران پیور کر لیں اور عوام

﴿بہت زیادہ عبادت کرنے والا﴾ اور اکفاء ﴿قانع و صابر﴾ کو مقدم رکھا جائے، اور اگر ایک علم ہے اور دوسرا اورع صاحب تقویٰ تو غور کیا جائے کہ اورع کی خواہش اور علم کا اشتباہ حکم ﴿فیصلے﴾ کے ظہور اور حکم کے اشتباہ میں خلل انداز تو نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْبَصِيرَ النَّاقِدَ عِنْدَ وَرُودِ الشُّبُهَاتِ وَيُحِبُّ الْعَقْلَ عِنْدَ حُلُولِ الشَّهَوَاتِ.

اللہ تعالیٰ بصیر و ناقد کو دوست رکھتا ہے ورد و شبہات کے وقت اور شہوات کے حلول کے وقت عقل کو محبوب رکھتا ہے۔

اور اکفاء کے مقابلہ میں رکھا جائے گا۔ اگر قاضی کو والی حرب، امیر جنگ یا والی عامہ ﴿یعنی گورنر﴾ کی تائید حاصل ہے تو قضاء ﴿فیصلے﴾ کیلئے علم ﴿زیادہ علم والے﴾ اور اورع ﴿صاحب تقویٰ﴾ کو ترجیح دی جائے گی۔ قاضی علم اور قاضی اورع کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور اگر علم و ورع کے مقابلہ میں قوت و اعانت کی ضرورت زیادہ ہے تو اکفاء کو مقدم رکھا جائے کیونکہ قاضی مطلق کی شرط یہی ہے کہ وہ عالم، عادل اور نفاذ حکم پر قادر ہو، اور قضاء پر یہ موقوف نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر والی کیلئے ایسا ہی ہونا چاہئے۔ پس مذکورہ صفات و اوصاف میں سے کسی صفت کسی وصف میں بھی نقصان ہوگا تو اس کی وجہ سے خلل واقع ہونا ضروری ہے، اور کفایت جس قسم اور جس طرح کی بھی ہو، قہر و غضب کی ہو، یا احسان و رغبت کی، بہر حال کفایت کی ضرورت ہے۔

بعض علماء سے پوچھا گیا کہ قضاء ﴿عدلیہ﴾ کیلئے کوئی آدمی ﴿یعنی جج﴾ نہیں ملتا۔ اور ملتا ہے تو ایسا کہ عالم فاسق ہے یا جاہل دیندار، ان دونوں میں سے کسے ترجیح دی جائے؟ انہوں نے جواب دیا اگر غلبہ فساد کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہو رہا ہے تو جاہل دیندار کو مقدم رکھا جائے۔ اور اگر غفلت حکام کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہو رہا ہے تو عالم فاسق کو مقدم رکھا جائے اور اکثر علماء جاہل دیندار کو مقدم رکھتے ہیں کیونکہ تمام ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ متولی، امیر ایسا شخص ہو جو عادل اور شہادت کا

اہل ہو۔

اور شرط علم میں اختلاف ہے کہ کس قسم کا متولی امر ﴿جج﴾ ہونا چاہئے! آیا وہ مجتہد ہو یا مقلد! یا ائشل فالامشل کہ جیسا آدمی مل جائے مقرر کر لیا جائے۔ اس مسئلہ میں بحث و کلام کے لئے دوسری جگہ ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔ بہر حال غیر اہل کو متولی امر ﴿ذمہ داری﴾ بنانا ضرورت کے لئے جائز ہے اور اصلح ﴿یعنی بہتر﴾ کے موجود ہوتے ہوئے بھی جائز ہے، حالات کی اصلاح کا خیال رکھنا فرض ہے تاکہ ولایت امر اور امارت ﴿حکومت﴾ کی رعایا اور عامتہ الناس کو ضرورت ہے وہ پوری ہو جائے، جس طرح کہ معسر و تنگ دست کے لئے یہ ضروری ہے کہ قرض اور دین ﴿یعنی جرمانہ﴾ ادا کرنے کے لئے کوشش کرے، لیکن فی الحال اس سے اسی قدر ﴿مالیت﴾ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے جس قدر ﴿مالیت﴾ کے ادا کرنے کی توفیق ہو، اور جس طرح کہ جہاد کی تیاری کے لئے قوت اور گھوڑے باندھنے کا حکم ہے لیکن عجز و بے بسی کے وقت ساقط ہو جاتا ہے اور حسب استطاعت جو کچھ میسر آئے کرنا فرض ہے، اور ضروری ہے کہ جس قدر واجب و فرض ہے اُسے پورا کیا جائے بخلاف جج اور دوسری عبادتیں کہ ان میں یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ جج وغیرہ اس پر فرض ہے جو۔

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط (آل عمران ع ۱۰)

جس کو اس تک پہنچنے کا مقدور ہو۔

یہ فرض ہے کہ وہ استطاعت و قدرت پیدا کرے، کیونکہ جج واجب ہی اس وقت ہوتا ہے جب استطاعت موجود ہو۔ استطاعت پیدا کرنا اس پر فرض نہیں ہے۔

باب 4 (Chapter) کے مضامین

اصلح ﴿بہتر﴾ کی پہچان، مقصود ولایت ﴿حکومت کے اہداف﴾، مقاصد و وسائل کی

معرفت، مقصد ﴿حکومت و﴾ ولایت، دین کی اصلاح، جمعہ اور جماعت کا قیام، اور مخلوق کی دینی اصلاح۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں تمہارے پاس عمال ﴿گورنر و افسر﴾ اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور نبی کی سنت سکھائیں اور دین کو جاری اور باقی رکھیں۔

اس باب میں اہم ترین چیز صلح ﴿بہتر لائق اور اہل شخص﴾ کی پہچان ہے، اور مقصد ولایت و حکومت اور طریق مقصود کی پہچان سے صلح کی پہچان ہوتی ہے ﴿یعنی مقصد حاصل کرنے کیلئے جو طریقہ اپنایا جائے اس کی بناء پر بہتر، لائق، اہل اور صلح شخص کی پہچان ہوتی ہے لہذا﴾، جب تمہیں مقاصد و وسائل کی پہچان ہو جائے گی تو سمجھ لو اس کام کو تم نے پوری طرح سمجھ لیا۔

جب بادشاہوں اور سلاطین پر دنیا غالب آگئی اور دین چھوڑ دیا تو ان کی ولایت ﴿یعنی حکومت﴾ و سلطنت میں ایسے لوگوں ﴿کو بیوروکریسی کے طور پر﴾ کو مقدم رکھا گیا جو ان کے مقاصد کو پورا کریں۔ جو شخص اپنی ذات کے لئے ریاست کا طالب تھا اس نے اس کو مقدم رکھا جو اس کی ریاست کو قائم رکھے اور سنت نبوی ﷺ یہ تھی کہ امراء حرب ﴿یعنی وزیر جنگ﴾ جو سلطان کے نائب اور فوج و لشکر کے سپہ سالار ہیں وہ مسلمانوں کی نماز جمعہ اور جماعت پڑھائیں اور انہیں خطبہ دیں۔ اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کے لئے آگے کھڑا کیا تھا اور اسی لئے مسلمانوں کی امارت حرب اور سپہ سالاری وغیرہ میں انہیں کو مقدم رکھا گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کسی کو امیر حرب ﴿یعنی سپہ سالار لشکر بنا کر بھیجتے تھے﴾ تو سب سے پہلے اُسے نماز جماعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔ اسی طرح جب کسی کو کسی شہر کا عامل ﴿یعنی گورنر یا افسر﴾ بنا کر بھیجتے تھے تو اُسے جماعت سے نماز پڑھانے کا حکم فرماتے مثلاً سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ کا حاکم ﴿گورنر﴾ بنا کر بھیجا اور سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف کا حاکم بنا کر بھیجا اور سیدنا علی معاذ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور سیدنا عمر و ابن حزم رضی اللہ عنہ کو نجران کا حاکم بنا

••••• 30 ••••• حکمران پیورہ کر لیں اور عوام

کر بھیجا تو یہ آپ ﷺ کے نائب ہی جماعت کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور حدود وغیرہ بھی یہی لوگ قائم کرتے تھے اور امیر الحرب یعنی سپہ سالار اور وزیر جنگ جو ﴿کچھ﴾ کیا کرتے تھے یہ ﴿گورنر و افسر﴾ بھی کرتے تھے یعنی ان کے اختیارات میں جنگ و انتظام جنگ اور سپہ سالاری کے امور بھی ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء نے بھی یہی کیا۔ بنو امیہ کے بادشاہوں اور بعض عباسیوں نے بھی یہی کیا اور اس لئے کیا کہ سب سے زیادہ اہم دین کے بارے میں نماز اور جہاد ہے اور یہی وجہ ہے جو اکثر احادیث نبویہ میں نماز اور جہاد کو ساتھ ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ جب کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو کہا کرتے تھے:-

اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ لِيَشْهَدَ لَكَ صَلَوةً وَيُكَفِّرَ لَكَ عَدْوًا.

اے اللہ تو اس بندے کو شفاء دے تاکہ تیری نماز میں حاضری دے اور تیرے دشمن کا مقابلہ کرے۔

جب نبی کریم ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا:

يَا مَعَاذُ اِنَّ اَهَمَّ اَمْرِ عِنْدِي الصَّلَوةُ.

اے معاذ! سب سے اہم امر تمہارے لئے میرے نزدیک نماز ہے۔

اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے عمال ﴿تحصیلداروں﴾ اور گورنروں کو لکھا کرتے تھے:

اِنَّ اَهَمَّ اُمُورِكُمْ عِنْدِي الصَّلَوةُ فَمَنْ حَافِظٌ عَلَيْهَا وَحَفِظَهَا حَفِظَ دِيْنَهُ وَ مَنْ ضَيَعَهَا كَانَ سِوَاهَا مِنْ عَمَلِهِ اَشَدُّ اِضَاعَةً.

میرے نزدیک تمہارے لئے اہم ترین چیز نماز ہے جو شخص اس کی محافظت کرتا ہے اس نے اپنے دین کی حفاظت کر لی اور جس نے نماز کو ضائع کیا تو نماز کے سوا دوسرے اعمال کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔

اور یہ اس لئے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ.

نماز دین کا ستون ہے۔

جب متولی امر ﷺ حاکم وقت، گورنر اور تمام افسر ﷺ اس ستون کی حفاظت کریں گے تو نماز انہیں فحش اور منکرات سے بچالے گی۔ اور دوسری طاعات و عبادات میں معین و مددگار ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (بقرہ ع ۵)

اور صبر اور نماز کا سہارا پکڑو اور البتہ نماز قائم کرنا بہت شاق ﷺ بھاری اور مشکل ﷺ ہے مگر ان پر نہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

اور فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

(بقرہ ع ۱۹)

ایمان والو! تم کو کسی طرح کی مشکل پیش آئے تو اس کے مقابلہ کے لئے صبر اور نماز سے مدد لو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا وَنَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى (طہ ع ۸)

اے ابراہیم! اپنے گھر والوں پر نماز کی تاکید رکھو اور خود بھی اسکے پابند رہو، ہم تم سے کچھ روزی تو طلب کرتے نہیں بلکہ ہم روزی دیتے ہیں اور انجام بخیر تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ

يُطْعَمُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (ذاریات ع ۳)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کیا کریں، ہم ان سے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اس کے خواہاں ہیں کہ ہمیں کھلائیں۔ اللہ خود بڑا روزی دینے والا، قوت والا، زبردست ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ولایات و امارات ﴿حکومت و اقتدار کا﴾ اصل مقصود اللہ کی مخلوق کی خدمت و اصلاح ہے۔ اور جب دین کو لوگ چھوڑ دیں گے تو سخت ترین گناہ اٹھائیں گے اور جو دنیوی نعمتیں ان کو دی گئی ہیں ان کو قطعاً مفید اور نفع بخش نہ ہوں گی اور جس دنیا سے ان کو دینی اصلاح حاصل ہوتی ہے وہ نہ ہوگی۔

جس دنیا سے ان کو دینی اصلاح ہوتی ہے وہ دو قسم کی ہے۔ ایک یہ کہ مال کو مستحق لوگوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ دوسری یہ کہ زیادتی اور ناحق لینے والوں کو عقوبت ﴿پکڑ﴾ اور سزا دی جائے، پس جو آدمی ظلم و زیادتی نہیں کرتا تو سمجھ لو اُس نے اپنے دین کی اصلاح کر لی اور اسی لئے خلیفہ دوم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

إِنَّمَا بَعَثْتُ عُمَّالِي إِلَيْكُمْ لِيُعَلِّمُوكُمْ كِتَابَ رَبِّكُمْ وَ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَيُقِيمُوا بَيْنَكُمْ دِينَكُمْ.

میں اپنے عمال ﴿مال اکٹھا کرنے والے یعنی تحصیلدار اور دوسرے افسر﴾ اور گورنر تمہاری طرف اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تم کو تمہارے رب کی کتاب اور نبی کی سنت سکھائیں اور تم میں تمہارا دین باقی اور قائم رکھیں۔

پس اس وقت جبکہ رعیت ﴿عوام الناس﴾ بھی من وجہ بگڑ گئی ہے اور راعی ﴿حاکم وقت، صدر، وزیراعظم، گورنر، وزیر، مشیر، ساری کی ساری بیورو کریسی، جج، پولیس اور فوجی افسران﴾ بھی من وجہ بگڑ چکے ہیں اور اس کی وجہ سے تمام اُمور درہم برہم ہو گئے تو ان کی اصلاح بھی دشوار ہے۔ پس جو ”راعی“

••••• 33 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

حسب امکان لوگوں کے دین اور دنیا کی اصلاح کرے گا، وہ اپنے زمانے میں سب سے بہتر و افضل اور افضل المجاہدین ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

يَوْمُ إِمَامٍ عَادِلٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً.

امام عادل ﴿یعنی عادل حکمران﴾ کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اور مسند امام احمد رحمہ اللہ میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

أَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ إِمَامٌ عَادِلٌ وَأَبْغَضُهُمْ إِلَيْهِ إِمَامٌ جَائِرٌ (مسند امام احمد)

مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب عادل حاکم ہے اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین

﴿یعنی جس پر سب سے زیادہ اللہ کا غضب نازل ہووے﴾ آدمی ظالم حاکم ہے

اور صحیحین میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ. إِمَامٌ عَادِلٌ. وَشَابٌّ نَشَأَ فِي

عِبَادَةِ اللَّهِ. وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ. وَ

رَجُلَانِ تَحَابَّبَا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَى ذَلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ

خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالَ إِلَى نَفْسِهَا.

قَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَخَفَاهَا حَتَّى لَا

تَعْلَمَ شِمَالَهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ (متفق علیہ)

سات آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا، جبکہ اللہ کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہو

گا، عادل حکمران، اور جوان آدمی جو عبادت میں اپنا وقت گزارتا ہے، اور وہ آدمی جس کا

دل مسجد سے لگا ہوا ہے جب مسجد سے نکلتا ہے یہاں تک کہ وہ پھر لوٹ کر مسجد میں پہنچے،

اور وہ دو آدمی جن کی دوستی محض اللہ کے واسطے ہو، دوستی کی وجہ سے وہ ملتے ہیں اور وہ آدمی

جو خالص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے، اور وہ آدمی جس کو کسی

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 34 •••••

صاحب منصب و جمال عورت نے نفس پرستی کیلئے بلایا اور اس نے کہہ دیا میں اللہ! رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ آدمی جو خیرات دے اور اس کو چھپائے یہاں تک کہ اس کا داہنا ہاتھ خرچ کرتا ہے تو اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا۔

اور صحیح مسلم میں سیدنا عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ. سُلْطَانٌ مُّقْسِطٌ. وَرَجُلٌ رَحِيمٌ رَفِيقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبَى وَمُسْلِمٌ وَرَجُلٌ غَنِيٌّ غَفِيفٌ مُتَصَدِّقٌ.

تین قسم کے لوگ جنتی ہیں، عادل حکمران، اور جو رحمدل رفیق القلب ہے ہر قرابتدار اور ہر مسلمان پر رحم کرتا ہے، اور وہ آدمی جو غنی اور باعفت ہے اور خیرات کرتا ہے۔

اور سنن میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

السَّامِيُّ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.
اللہ کیلئے جو صدقہ و خیرات کی کوشش کرتا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی مانند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم فرمایا تو فرمایا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ط (بقرہ ع ۲۴)

اور وہاں تک ان سے لڑو کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے اور ایک اللہ کا دین چلے۔

رسول اللہ ﷺ کی جناب میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آدمی کبھی شجاعت دکھانے کو جنگ کرتا ہے، کبھی حمیت ﴿وغیرت﴾ کی وجہ سے، اور کبھی ریا اور دکھاوے کے لئے، تو ان میں سے کونسا فی سبیل اللہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةً لِلَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. (اخرجاه فی الصحیحین)

جو اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین بلند ہو، وہ فی سبیل اللہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جہاد کا مقصد بھی یہ ہے کہ سب کا سب اللہ کا دین ہو اور اللہ کا دین بلند ہو اور

”کلمۃ اللہ“ ایسا جامع اسم ہے جو کتاب اللہ پر بھی مشتمل اور متضمن ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ
بِالْقِسْطِ ط (حدید ع ۳)

البدتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دے کر بھیجا ہے اور انکی معرفت کتابیں
اُتاریں اور نیز ترازو تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

رسولوں، پیغمبروں کو بھیجنے اور کتاب نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں
عدل و انصاف قائم کریں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ
وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ. (حدید ع ۳)

اور ہم نے لوہا نازل کیا، اس میں بڑا خطرہ ہے اور اس میں لوگوں کے فائدے بھی ہیں، اور
ایک غرض یہ بھی ہے کہ اللہ ان لوگوں کو معلوم کرے جنہوں نے اللہ کو دیکھا نہیں، اور پھر بھی
اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے
اُسے لوہے ﴿یعنی تلوار، گولی اور بم وغیرہ﴾ سے سیدھا
کیا جائے، اس لئے کہ دین کا ﴿قیام و﴾ قوام، دین کی
مضبوطی اور پائیداری کتاب اللہ ﴿قرآن و سنت﴾ اور
شمشیر و بندوق ہوتی ہے۔

اور سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا

ہے۔ اِنْ نَضْرِبْ بِهَذَا۔ یعنی ہم تلوار سے اُسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑے۔

پس جبکہ مقصود یہ ہے تو اقرب فال اقرب طریقے سے مقصود حاصل کیا جائے، اور ایسے دو آدمیوں کو دیکھا اور جانچا جائے کہ اقرب الی المقصود (Near to requirement) دونوں میں سے کون ہے؟ جو دونوں میں اقرب الی المقصود ہو اُسے ولی امر ﴿حاکم، گورنر، مجاز افسر، جج، سپہ سالار، زکوٰۃ و صدقات اکٹھا کرنے والے تحصیلدار﴾، اور ﴿چھوٹا بڑا﴾ امیر مقرر کیا جائے۔

پس اگر صرف ولایت و امامت ﴿حکومت و حکمرانی﴾ ہے تو ایسے شخص کو مقدم رکھنا چاہئے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقدم رکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ الْقَوْمِ أَقْرَأُ هُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ كَانُوا فِي قِرَاءَةٍ سَوَاءٍ فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءٍ فَأَقْدَمُهُمْ هَجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهَجْرَةِ سَوَاءٍ فَأَقْدَمُهُمْ سَنًّا وَلَا يُؤْمِنَنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَجْلِسُ عَلَى تَكْرِيمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ (رواه مسلم)

قوم کی ﴿نماز باجماعت کی﴾ امامت وہ کرے جو زیادہ قرآن پڑھ جائے والا ہو، اگر قرآن میں سب برابر ہیں تو سنت کو جاننے والا امامت کرے، اگر سنت جاننے میں سب برابر ہیں تو امامت وہ کرے جو ہجرت میں مقدم ہے، اگر ہجرت میں تمام برابر ہیں تو زیادہ عمر والے کو امام مقرر کرنا چاہئے اور کوئی آدمی اس کی حکومت میں امامت نہ کرے، اور اس کی عزت کی جگہ اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔

جب دو آدمی برابر ہیں، اور دونوں میں سے کسی ایک کا صلح ﴿بہتر﴾ ہونا معلوم نہ ہو سکے تو قرعہ ڈالنا چاہئے، جس طرح کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر کیا تھا، لوگ باہم مشاحرات اور جنگ کیلئے تیار ہو گئے کہ اذان ہم کہیں گے اور بہت سے آدمی اپنا استحقاق جتانے لگے، اس

وقت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی اتباع ﴿پیروی﴾ کی گئی کہ:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْبَدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهْمُوا
عَلَيْهِ لَا سَتَهُمُوا.

اور لوگ اذان کی حقیقت اور صفِ اوّل کا ثواب سمجھ لیں تو اذان اور صفِ اوّل کیلئے قرعہ
ڈالنے کی ضرورت پڑے تو قرعہ ڈالیں مگر ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

جب وجہ ترجیح مخفی ہو تو قرعہ ڈالے، ایسا کر لیا تو متولی امر ﴿یعنی حاکم﴾ نے امامت کا حق ادا کر
دیا، اور اس کی ولایت مستحق و حقدار کو پہنچادی۔

نوٹ: امانتوں کی ایک قسم یعنی حکومت و اقتدار اور اختیار ﴿یعنی ٹرانسفر آف پاور Transfer
of Power﴾ حقدار، اہل اور ”صلح“، شخص کو دینے کے متعلق بحث مکمل ہوئی۔ اب امانت کی دوسری
قسم ”مال و دولت کی تقسیم“ کے متعلق گزارشات پیش کی جائیں گی۔

باب 5 (Chapter) کے مضامین

امانتوں کی دوسری قسم مال ہے، اور یہ دیوانِ خاصہ و عامہ، ودیعت ﴿کوئی چیز تحفہ کی
صورت میں دینا﴾، شرکت، توکل، مضاربہ، یتیم کے مال، اور وقف وغیرہ پر مشتمل
ہے، اور صدقہ، خیرات فقراء کو، مسکینوں کو، اور عالمین ﴿زکوٰۃ و صدقات وغیرہ اکٹھا
کرنے والے تحصیلدار﴾، مؤلفۃ القلوب ﴿کسی کا دل جیتنے کیلئے﴾ کو، غلام آزاد کرانے
میں، قرضداروں کو دینا، اللہ کی راہ میں دینا وغیرہ کو شامل ہے۔

امانتوں کی دوسری قسم مال سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ قرض اور دین ﴿جرمانہ وغیرہ﴾ کے متعلق
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا. فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (بقدرہ ۳۹)
پس اگر تم میں سے ایک ﴿شخص﴾ دوسرے کا اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اُسے
چاہئے کہ قرض دینے والے کی امانت کو ادا کر کر دے، اور اللہ سے، جو اس کا کارساز
﴿رب اور پروردگار﴾ ہے، ڈرے۔

اس قسم میں اعیان ﴿جن کی مدد کی جائے﴾، دیوان خاصہ و عامہ، مثلاً و دیتیں ﴿تخفے﴾ اور
شریک، مؤکل، مضارب، یتیم کا مال، وقف، بیعت کی قیمت ادا کرنا، قرض، عورتوں کے مہر، منافع کی
اُجرتیں وغیرہ شامل ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۚ
إِلَّا الْمَصْلِينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۚ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ
مَعْلُومٌ ۚ لِلنَّسَائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۚ إِلَى قَوْلِهِ. وَالَّذِينَ لَا مَانَاتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُونَ
بیشک انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے، جب اس کو نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، اور
جب اس کو فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، مگر جو نماز گزار ہیں وہ اپنی نمازوں کو کبھی
ناغہ نہیں ہونے دیتے اور جن کے مال و دولت میں منہ پھوڑ کر مانگنے والے اور نہ مانگنے
والے دونوں کا حصہ معین ہے، اللہ کے اس فرمان تک، اور جو (اپنی تحویل کی)
امانتوں کا، اپنے وعدے اور عہد کا پاس کرتے ہیں۔ (معارج ع)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ
لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا ۝ (نساء ۱۶)

اے پیغمبر ﷺ ہم نے کتاب برحق تم پر نازل کی ہے کہ جیسا تم کو اللہ نے بنا دیا ہے اسکے
مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو۔ اور دوغابازوں کے طرف دار نہ بنو۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَدِّ اَلاَمَانَةَ اِلَى مَنِ اَنْتَمَنْكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.

تمہارے پاس جس نے امانت رکھی ہے تو اُسے تم دے دو، اور تمہارے ساتھ کوئی خیانت کرے تو تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ الْمُسْلِمُونَ عَلَى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ اَلْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ عَمَّا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ. وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ.

مومن وہ ہے جسے مسلمان امین سمجھیں خون کے بارے میں اور مال کے بارے میں اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو سلامتی ملے، اور مہاجر وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے رُک جائے اور مجاہد وہ ہے جو ذات الہی کیلئے اپنی جان سے جہاد کرے۔

یہ حدیث صحیح ہے، حدیث کے بعض حصے بخاری و مسلم میں ہیں اور بعض حصے سنن ترمذی میں بھی ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَانَتَهَا اَدَاَهَا اللّٰهُ عَنْهُ. وَمَنْ اَخَذَهَا يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهَا اللّٰهُ. (رواہ البخاری)

جو لوگوں کا مال اس ارادہ سے لیتا ہے کہ اُسے ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کر دیتا ہے اور جو اس ارادہ سے لیتا ہے اُسے تلف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے تلف کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان امانتوں کے متعلق فرض کیا ہے جن پر کسی حق سے فیصلہ کیا گیا ہے، اور تنبیہ فرماتا ہے کہ جب اس میں غصب یا دُوری کی گئی ہو، یا خیانت وغیرہ ہوئی ہو یا کسی قسم کا ظلم ہوا ہو، تو ان کا ادا

••••• 40 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

کرنا فرض ہے، اسی طرح عاریت ﴿ما نگ کر یا ادھار﴾ اور مستعار چیزیں بھی واپس کرنا فرض ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ اوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے:

اَلْعَارِيَةُ مُوَدَّاةٌ وَالْمَنْحَةُ مُرْدُوْدَةٌ وَالَّذِيْنَ مَقْضٰىوَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِّوَارِثٍ.

عاریتہ ﴿ادھار یا مانگ کر﴾ لی ہوئی چیز واپس کی جائے اور اونٹ کا بچہ جس کیلئے مخصوص کیا گیا ہو اُسے دے دیا جائے، اور قرض ادا کر دیا جائے، اور زعیم وقائد پر جو لازم ہے ادا کر دے بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا۔ پس وارث کیلئے وصیت نہیں ہے۔

﴿امانتوں کی﴾ اس قسم میں والیان امر ﴿تمام بیوروکریٹ﴾، والیان ملک ﴿حاکم وقت﴾، اور رعیت ﴿عوام الناس﴾ سب شامل ہیں، والیان امر، ﴿تمام بیوروکریٹ﴾، والیان ملک ﴿حاکم وقت﴾، اور رعیت ﴿عوام الناس﴾ سب کا فرض ہے کہ ایک دوسرے پر جو واجب ہے اُسے ادا کریں، پس سلطان ﴿حاکمین وقت﴾ اور نائبین سلطان ﴿گورنر و افسران﴾ کا فرض ہے کہ وہ ﴿لوگوں کو مال و دولت﴾ عطاء ﴿کرنے﴾ میں کوتاہی نہ کریں، اور مستحقین، حقداروں کے حقوق پورے پورے دے دیں، اور اہل دیوان کا فرض ہے کہ وہ سلطان ﴿یعنی حکام﴾ کو وہ دے دیں جس کا دینا ان پر ﴿فرض﴾ کیا گیا ہے، اسی طرح رعیت ﴿عوام الناس﴾ پر فرض ہے کہ ان پر جو حقوق لازم کئے گئے ہیں ادا کر دیں، اور رعیت کے لئے یہ جائز نہیں کہ والیان ملک ﴿یعنی حکام﴾ سے وہ ایسا مطالبہ کریں جس کا ان کو حق نہیں دیا گیا۔ اگر یہ مطالبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے ماتحت آجائیں گے:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمُزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۖ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْتَخْطُونَ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۖ اَلصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالمَسْكِيْنَ وَالعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالمُوَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي

الرَّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ طَفْرِضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَلِيمٌ ۝ (توبہ ع ۸۰۷)

اور اے پیغمبران میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خیرات میں تم پر الزام لگاتے ہیں، پھر اگر ان کو اس میں سے دیا جائے تو خوش ہوتے ہیں، اور اگر اس میں سے ان کو نہ دیا جائے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اگر یہ اس کو خوشی سے لے لیتے اور کہتے کہ اللہ ہم کو بس کرتا ہے، اور اب نہیں دیا تو کیا ہے، آئندہ اپنے کرم سے اللہ اور اس کا رسول ہم کو دیں گے ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے بیٹھے ہیں، خیرات تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا، اور ان کا رکھنے کا جو خیرات وصول کرنے پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے اور نیز قید و غلامی سے غلاموں کی گردنیں چھڑانے میں، اور قرضداروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں، اور مسافروں کے زاوراہ میں، یہ ﴿مراتب﴾ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا بڑا تدبیر ہے۔

اور انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ والی سلطان ﴿حاکم وقت﴾ کے وہ حقوق جو ان لوگوں پر واجب ہیں روک لیں۔ اور نہ دیں، اگرچہ سلطان ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، اور یہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب والیان ملک ﴿حاکم و گورنرز﴾ کے ظلم و جور کی شکایت کی گئی تھی فرمایا:

أَذُوا إِلَيْهِمُ الَّذِي لَهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَأَلَهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ.

جو حق ان کا تم پر ہے، ادا کر دیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ رعیت ﴿عوام الناس﴾ کے حقوق کا سوال ان سے کرے گا۔

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَئِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ بَعْدِي وَسَيَكُونُوا خُلَفَاءَ. وَيَكْثُرُونَ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ أَوْفُوا بِيَعَةِ الْأَوَّلِ فَإِنَّ اللَّهَ سَأَلَهُمْ

بنی اسرائیل کی سیاست ﴿یعنی حکومت﴾ انبیاء کرام کیا کرتے تھے، جب کسی پیغمبر کی وفات ہوتی تھی دوسرے پیغمبر کو خلیفہ بنا لیتے، اور میرے بعد کوئی نبی و پیغمبر نہیں ہوگا، خلفاء ہونگے، اور بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا ایسے وقت میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیعت کو پوری دیا ننداری سے پورا کرو، جس سے پہلے بیعت کی ہے اُسے پورا کرو، جو حقوق تم پر ہیں اُن کو دے دو، رعایا کے حقوق اللہ تعالیٰ ان سے پوچھ لے گا۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَعْدِي أَثَرَهُ. وَتَنْكِرُونَهَا. قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ
أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ. وَاسْأَلُوا اللَّهَ حَقَّكُمْ.

میرے بعد تم دولت و ثروت بہت دیکھو گے اور ایسے اُمور اور ایسی باتیں بھی دیکھو گے جنہیں تم بُرا سمجھو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے وقت آپ میں ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے حقوق جو تم پر ہیں تم ادا کر دیا کرو، اور اپنے حقوق تم اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔

پس والیان مال ﴿یعنی وزیر خزانہ اور اس کے ماتحت تمام چھوٹے بڑے بیورو کریٹ اور کلریکل اسٹاف﴾ کو کسی طرح حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال کو اپنی خواہشات کے مطابق تقسیم کریں۔ جس طرح کہ مال کے مالک اپنا مال تقسیم کر لیتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں لیتے دیتے ہیں، کیونکہ والیان مال اس مال کے مالک نہیں ہیں بلکہ امین ﴿امانت دار﴾، نائب ﴿سلطان﴾ اور وکیل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنِّي وَاللَّهِ لَا أُعْطِي أَحَدًا وَلَا أَمْنَعُ أَحَدًا إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ. أَضَعُ حَيْثُ أَمَرْتُ.

اللہ کی قسم! میں نہ کسی کو دیتا ہوں، نہ کسی سے مال کو روکتا ہوں، میں تو حقداروں پر اسی طرح تقسیم کرتا ہوں جیسا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے۔

غور کیجئے نبی کریم ﷺ رب العالمین کے رسول اور پیغمبر ہیں، لیکن فرماتے ہیں: دینے اور نہ دینے میں اپنے ارادہ کو کوئی دخل نہیں، اور تقسیم کرنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں، جس طرح کہ مال کے مالکوں کو حق اور اختیار ہوا کرتا ہے، ﴿یعنی وہ﴾ ہر طرح اس میں تصرف کر سکتے ہیں۔ اور سلاطین شاہان دنیا بغیر کسی حق اور بغیر استحقاق کے جس سے محبت کرتے ہیں انہیں دیتے ہیں، اور جس سے ناراض ہوتے ہیں اُسے محروم کر دیتے ہیں ﴿جیسا کہ آجکل پاک سرزمین میں بھی ہو رہا ہے﴾، لیکن اللہ کے پیغمبر ﷺ اللہ کے بندے ہیں، اور جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتے ہیں۔

اسی طرح سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی کیا کرتے تھے۔ کسی نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ کچھ اپنے لئے وسعت کر لیا کریں تو بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کے مال میں سے کچھ زیادہ لے لیا کریں تو اچھا ہے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میری اور ان لوگوں کی مثال تمہیں معلوم نہیں ہے، ان کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ سفر کر رہے ہیں، ان لوگوں نے اپنا مال جمع کر کے ایک شخص کے سپرد کیا کہ یہ مال ہمارے لئے مناسب طریقہ سے خرچ کرنا، تو کیا اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اپنے لئے اس مال میں سے لے لے اور جس طرح چاہے خرچ کرے؟

ایک مرتبہ جس میں ﴿یعنی مال غنیمت کے پانچویں حصے سے﴾ بہت سا مال ﴿دولت﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مال دیکھ کر بولے انھوں نے امانتیں دے دیں خوب کیا، بعض حاضرین بولے آپ امانت کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں تو لوگوں نے امانتیں آپ کو دے دیں، اگر آپ اس میں خرد برد کرتے تو یہ لوگ بھی خرد برد کرتے۔

اور سزاوار اور لائق یہ ہے کہ لوگ اس حقیقت کو سمجھیں کہ اولی الامر ﴿حاکم﴾ کیا ہے اور اسکی حیثیت کیا ہے؟ اولی الامر کی مثال بازار کی سی ہے، بازار میں جیسا کرو ویسا لے لو، جیسے دام ویسا مال۔

••••• 44 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

چنانچہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: اگر تم صدق و صداقت، برّ و نیکی، عدل و انصاف اور امانتداری کرو گے تو تمہیں اس کے بدلہ میں یہی چیزیں ملیں گی۔ اگر تم کذب و جھوٹ، ظلم و جور، خیانت و بددیانتی کرو گے تو تمہیں اس کے جواب میں یہی ملے گا، اسی لئے ولی امر ﴿بیوروکریٹ افسر اور﴾ سلطان ﴿حاکم وقت، گورنر، وزیر، مال و دولت پر متعین شخص﴾ کا فرض ہے کہ حلال و طیب طریقہ سے حاصل کرے، اور جہاں حق ہو وہاں خرچ کرے، اور مستحق، حقداروں کو محروم نہ کرے۔

امیر المؤمنین سیدنا علیؑ کو ایک مرتبہ اطلاع ہوئی کہ آپ کے بعض نائب رعایا پر ظلم و جور کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَمْ اُمرُھُمْ اَنْ یَّظْلِمُوْا خَلْقَکَ وَلَا یَتْرُکُوْا حَقَّکَ .

اے اللہ میں نے ان کو ظلم و جور کا حکم نہیں دیا اور نہ تیرا حق چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔

باب 6 (Chapter) کے مضامین

سلطانی مال جس کا کتاب و سنت میں ثبوت موجود ہے، مال تین قسم کا ہے، مال غنیمت، مال صدقہ و خیرات، مال فئے۔ نبی کریم ﷺ کو پانچ چیزیں تمام انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ دی گئی ہیں، تمہارے کمزوروں کی وجہ سے تمہیں روزی اور نصرت ملتی ہے۔ مال غنیمت ﴿جمع کرنے والے﴾ غنائم میں تقسیم کیا جائے، بنو امیہ، بنو عباس نے بھی ایسا کیا۔

وہ سلطانی مال ﴿یعنی بیت المال﴾ جس کی اصل کتاب و سنت میں ہے، تین قسم کا ہے، مال غنیمت، مال صدقہ و زکوٰۃ، مال فئے۔ مال غنیمت وہ مال ہے جو کافروں سے قتال و جنگ کر کے لیا جائے، اس کا ذکر اللہ نے سورۃ انفال میں کیا ہے، اور یہ سورۃ غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے، اللہ نے اس سورت کو انفال اس لئے کہا ہے کہ مسلمانوں کے مال میں زیادتی ہو رہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ط قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ط إِلَى قَوْلِهِ وَاعْلَمُوا
أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ . وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (الأنفال ع ۱)

اے پیغمبر! مسلمان سپاہی تم سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ
مال غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے..... جان رکھو کہ جو چیز تم لڑائی میں لوٹ کر لاؤ، اُس کا
پانچواں حصہ اللہ کا اور رسول کا اور رسول کے قریبداروں کا اور یتیموں کا، محتاجوں کا، اور
مسافروں کا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (أنفال ع ۹)
تو جو کچھ تم کو غنیمت سے ہاتھ لگا ہے اُس کو حلال، طیب ﴿اور پاکیزہ﴾ سمجھ کر کھاؤ، اور اللہ
سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور صحیح بخاری اور مسلم میں سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
أُعْطِيتُ خُمْسًا. لَمْ يُعْطِهِمْ نَبِيُّ قَبْلِي. نَصَرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ.
وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطُحُورًا فَإِنَّمَا رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكْنَهُ
الصَّلَاةُ. فَلْيَصِلْ. وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ. وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي. وَ أُعْطِيتُ
الشَّفَاعَةَ. وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً.

مجھے پانچ چیزیں دیں گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ایک یہ کہ ایک مہینہ کی
مسافت سے میرا رعب پڑتا ہے، اور مجھے فتح دی گئی ہے، اور تمام زمین میرے لئے مسجد
اور پاک کرنے کی جگہ بنائی گئی، پس میری امت میں سے جس کو نماز کا وقت آجائے نماز

پڑھ لے، اور میرے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں تھا، مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے، اور مجھ سے پہلے نبی پیغمبر اپنی قوم کیلئے بھیجے جاتے تھے اور میں ﴿قیامت تک آنے والے دنیا کے﴾ تمام لوگوں کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ. حَتَّى يَعْبُدُوا اللَّهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي. وَجُعِلَ الذُّلُّ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي. وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (رواہ احمد فی المسند)

میں قیامت کے قریب تلوار لے کر مبعوث ہوا ہوں، تاکہ لوگ اللہ وحدہ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں، اور میرا رزق میرے نیزے ﴿جیسے آجکل کے میزائل﴾ کے سایہ کے نیچے گردانا ﴿گیا ہے یعنی رکھ دیا گیا﴾ ہے، اور جو میری مخالفت کرے گا اُس کے لئے ذلت و خواری ہے، اور جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ اُنہیں میں سے ہوگا۔

پس فرض ہے کہ مالِ غنیمت میں سے خمس ﴿یعنی﴾ پانچواں حصہ نکال لیا جائے، اور اس خمس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب خرچ کیا جائے اور باقی کا مال غنمین یعنی غنیمت کا مال جمع کرنے والوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے ”مالِ غنیمت ان لوگوں کے لئے ہے جو جہاد میں شریک ہیں، اور وہ ایسے لوگ جو قتال و جہاد کے لئے حاضر اور موجود رہے، قتال و جنگ کریں یا نہ کریں، اور غنیمت کا مال تقسیم کرنے میں نہ کسی کی ریاست و حکومت سے ڈرنا چاہیے نہ خاندان و نسب کی افضلیت سے مرعوب ہونا چاہئے، اور پورے عدل و انصاف سے تقسیم کر دینا چاہیے جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دوسروں کے مقابلہ میں اپنے ﴿آپ﴾ کو افضل والی سمجھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

هَلْ تَنْصَرُونَ وَ تَرْتَدُّونَ إِلَّا بِضَعْفَائِكُمْ.

تم لوگوں کو نصرت اور رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

اور مسند احمد میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ایک آدمی قوم کی حمایت و سرداری کی حیثیت سے لڑ رہا ہے تو اس کا حصہ دوسروں کے برابر ہی ہونا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ ابْنُ أُمِّ سَعْدٍ وَهَلْ تُرْزُقُونَ وَتُنْصَرُونَ إِلَّا بِضُعْفَانِكُمْ.

اے ابن ام سعد! تمہاری ماں تم پر روئے کیا تم کو رزق اور نصرت تمہارے کمزوروں کی وجہ سے نہیں دی جاتی؟

﴿اس سے ثابت ہوا کہ کمانڈر انچیف اور دیگر فوجی افسران و ممبران اور عام فوجی کا حصہ ایک جیسا ہے لیکن کیا ہمارے ملک میں فوجی کی تنخواہ کم اور افسر کی زیادہ نہیں؟ اگر ہے تو وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے﴾ چنانچہ دولت بنی اُمیہ اور دولت بنی عباس میں مال غنیمت غانمین، غنیمت حاصل کرنے والوں پر تقسیم ہوتا رہا۔ جبکہ مسلمان روم اور ترکوں اور بربر کے خلاف جنگ و جہاد کرتے تھے، ہاں امام ﷺ حاکم وقت ﷺ کے لئے یہ جائز ہے کہ ﴿جو مجاہد، فوجی یا افسر﴾ کوئی خطرناک اور اہم کام انجام دیدے، مثلاً بلند قلعے پر چڑھ گیا، اور دشمن کو شکست ہوئی، اس کے مثل کوئی دوسرا کام کیا تو اس کو نفل یعنی زیادہ دیدے، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء نے نفل دیا تھا، چنانچہ سریہ بدایہ میں نبی کریم ﷺ نے خمس کے علاوہ ایک رطل اور دیا تھا، اور غزوہ ربحہ میں خمس کے بعد ایک ثلث دیا تھا۔

ہاں اس نفل و اضافہ کے متعلق علماء کرام کے اقوال مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں: یہ نفل اور زیادتی خمس کے مال میں سے دی جائے، اور بعض کہتے ہیں، خمس کے پانچویں حصہ میں سے دی جائے، تاکہ بعض غانمین کو بعض پر فضیلت و برتری نہ ہو سکے، اور صحیح یہ ہے کہ خمس کے چوتھے حصہ میں سے نفل و زیادتی دی جائے۔ گو بعض لوگ افضل و برتر ہی کیوں نہ ہوں، لیکن یہ نفل کسی دینی مصلحت کی بنا پر ہونا چاہئے، خواہش نفس کو اس میں دخل نہ ہو۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ مصلحت کی بنا پر نفل دیا ہے۔

••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام ••••• 48 •••••

اور یہی قول فقہاء شام، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے، اور اسی قول کے مطابق کہا گیا ہے کہ بلا کسی ربع اور ثلث کے دیا جائے۔ اس سے زیادہ ﴿دینے﴾ کیلئے شرط لگائی جائے، مثلاً امام ﴿حاکم وقت﴾ یا سپہ سالار لشکر یہ کہے کہ جو شخص فلاں قلعہ سر کرے گا، یا جو فلاں کا سر لائے گا اُس کو یہ یہ ﴿نفل یعنی انعام﴾ دیا جائے گا۔

اور بعض کہتے ہیں ایک ثلث سے زیادہ نفل نہ دیا جائے، ہاں شرط لگا کر دیا جاسکتا ہے، یہ دونوں قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے ہیں۔

اور اسی طرح صحیح قول کے بموجب امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یہ کہے: جس شخص نے جو چیز لے لی وہ اس کی ہے، جیسا کہ غزوہ بدر میں نبی کریم ﷺ نے کہا تھا، لیکن یہ اس وقت جبکہ مصلحت رائج ہو اور مفسد کی اُمید کم ہو۔

جب امام ﴿حاکم وقت یا سپہ سالار﴾ مالِ غنیمت جمع کرے یا اُسے تقسیم کرے تو کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس میں کسی قسم کا غبن کرے، اور جو شخص غبن کرے گا قیامت کے دن اس کی پوچھ گچھ ہوگی، کیونکہ غلول اور غبن بھی خیانت ہے، نیز مالِ غنیمت میں نہب و غارتگری بھی جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے نہب و غارتگری کو رد کیا ہے۔

جب امام ﴿حاکم وقت یا سپہ سالار﴾ نے مالِ غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے عام اجازت دے دی کہ جس کے ہاتھ لگے وہ اس کا ہے، تو اس صورت میں خمس ادا کرنے کے بعد ایسا کرنا حلال و جائز ہے، اور اذن و اجازت کے لئے کوئی خاص الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح بھی اور جس طور پر بھی اذن و اجازت دی جائے وہ اذن و اجازت ہے، اور جب عام اذن و اجازت نہ دی گئی ہو، اور اس صورت میں کوئی شخص کچھ لے لے تو جو قسمت اور حصہ میں آئے اتنی ہی مقدار عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے لے سکتا ہے۔

اگر امام نے مالِ غنیمت جمع کرنے سے روک دیا ہے، اور حالات کچھ ایسے ہی ہیں، اور امام نے

••••• 49 ••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

حالات کی بنا پر یہ طے کر لیا کہ وہ جو چاہے گا کرے گا، تو اس وقت دونوں متقابل ہوتے ہیں، تو دونوں قول چھوڑ دئے جائیں، اور درمیانی راہ اختیار کی جائے، اس لئے کہ دینُ اللہ وَسَطٌ۔ اللہ کے دین کی راہ متوسط ہے۔

اور مال کی تقسیم میں عدل و انصاف یہ ہے کہ پیادہ ﴿پیدل فوج﴾ کو ایک حصہ اور سوار کے لئے جو ﴿اپنا﴾ عربی گھوڑا رکھتا ہے تین حصے۔ ایک حصہ اس کا اور دو حصے گھوڑے کے۔ ﴿آجکل جو اپنی گاڑی و ٹینک چلائے وہ بھی اسی حکم میں ہے﴾ چنانچہ غزوہ خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔ بعض فقہاء کہتے ہیں: سوار کو دو حصے دئے جائیں ایک حصہ اس کا اور ایک اس کے گھوڑے کا۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ صحیح حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ گھوڑے کے ساتھ اس کا سائیس ﴿کھانا پینا اور دیگر خدمت و خرچہ﴾ وغیرہ بھی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے گھوڑا زیادہ محتاج ہے، اور پیادہ کے مقابلہ میں سوار ﴿مجاہد﴾ سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔

بعض فقہاء کا قول ہے عربی گھوڑے اور نجین گھوڑے کو برابر حصہ دیا جائے۔ اور بعض کا قول ہے عربی گھوڑے کو دو حصے دئے جائیں اور نجین کو ایک حصہ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے مروی ہے۔ اور نجین اس گھوڑی کو کہتے ہیں جس کی ماں غبیطہ ہو، اسے برزون بھی کہتے ہیں، بستر ی بھی کہتے ہیں، خصی اور غیر خصی گھوڑے کا یہی حکم ہے۔

سلف اُمت اس گھوڑے کو جو کسی گھوڑے پر نہ کودا ہو، کچھ حیثیت سمجھتے ہیں، کیونکہ اس میں قوت اور تیزی زیادہ ہوا کرتی ہے، اس کا کوئی صہیل نہیں ہے، اور اس کی رفتار بھی تیز ہوتی ہے۔

اگر مالِ غنیمت میں مسلمان کا مال ہے خواہ زمین ہو یا مال منقولہ اور تقسیم سے پہلے لوگ اُسے جانتے بھی تھے، تو یہ مال اُسے واپس کر دیا جائے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مالِ غنیمت کے متعلق بہت سی تقریعات اور بہت سے احکام ہیں۔ اور بہت سے آثار اور اقوالِ سلف موجود ہیں۔ بعض متفق علیہ ہیں بعض میں اختلاف ہے لیکن موقع اس کے بیان کا نہیں ہے، یہاں

چند جامع جملے ہم نے پیش کر دیئے ہیں۔

باب 7 (Chapter) کے مضامین

صدقہ زکوٰۃ آٹھ قسم کے لوگوں کو دیئے جانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی ضرورت ہے۔
صدقہ زکوٰۃ ان لوگوں کے لئے ہے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا
ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، ایک آدمی نے آپ سے زکوٰۃ مانگی تو آپ
ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَرْضَ فِي الصَّدَقَةِ بِقَسَمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ وَلَكِنْ جَزَآءُهَا ثَمَانِيَّةٌ
أَجْزَاءَ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ.

صدقہ زکوٰۃ کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نہ کسی نبی سے راضی ہے نہ غیر سے، بلکہ اُس نے خود
آٹھ قسم کے لوگوں کی تقسیم کر دی ہے، اگر تم ان آٹھ قسموں سے کسی میں ہو تو تم کو بھی دوں
گا۔ آٹھ قسمیں یہ ہیں:

1- الْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاكِينِ. فقراء اور مساکین ہیں۔ ان کو اس قدر دیا جائے جو اُن کی ضرورت و
حاجت کے لئے کافی ہو۔ غنی و مالدار کے لئے صدقہ زکوٰۃ جائز نہیں ہے، جو قوی طاقتور ہو اور کم کرکھا
سکے، اس کے لئے بھی ﴿صدقہ زکوٰۃ﴾ جائز نہیں ہے۔

2- وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا. اور عاملین زکوٰۃ۔ یہ صدقہ زکوٰۃ وصول کرنے والے، اس کو جمع کرنے
والے، اس کی حفاظت کرنے والے، اس کے لکھنے والے ﴿کلرک﴾ وغیرہ تمام اس میں شامل ہیں۔

3- وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ. تالیف قلوب کیلئے۔ اور ہم اس کا ذکر مال فئے میں کریں گے۔

4- وَفِي الرِّقَابِ. اور گردنیں ﴿یعنی غلام﴾ آزاد کرانے کے لئے۔ مکاتب غلام آزاد کرانے،

قیدیوں کو چھڑانے اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کی جائے، یہ قوی ترین قول ہے۔

5- وَالْعَادِمِينَ. غار میں وہ لوگ ہیں جو قرضدار ہوں، اور کسی طرح وہ اس کو وفا ﴿﴾ ادا نہ کر سکتے ہوں۔ ان کو اتنا دیا جائے کہ ان کا قرض ادا ہو جائے۔ اگرچہ قرض بہت زیادہ کیوں نہ ہو ہاں اگر معصیت الہی کی وجہ سے قرض ہو گیا ہے تو جب تک وہ اس معصیت سے توبہ نہ کر لیں، نہ دیا جائے۔

6- وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ. اور جو اللہ کی راہ میں ہیں انہیں دی جائے۔ اس میں وہ لوگ ہیں جو غازی ہیں۔ جنہیں اللہ کے مال میں سے اتنا نہیں ملا، جو ان کو کافی ہو سکے اور وہ جہاد کر سکیں۔ تو ان کو دیا جائے تاکہ جہاد میں شرکت کر سکیں، یا پورا پورا جہاد و غزوہ کا سامان ﴿﴾ دیا جائے ﴿﴾ مثلاً گھوڑے ﴿﴾ اور آجکل گاڑی وغیرہ ﴿﴾، اسلحہ ﴿﴾ بارود، دیگر ہتھیار۔ تاکہ وہ ﴿﴾ دوسرا خرچ اور اجرت ادا کر سکیں، اور حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

7- وَابْنِ السَّبِيلِ. اور ابن سبیل وہ آدمی ہے جو شہر شہر پھرا کرتا ہے۔

8- شیخ صاحب! یہ تو سات قسمیں ہیں، آٹھویں قسم کونسی ہے؟ وضاحت فرمادیں۔ کیونکہ میں تو اہل علم میں سے نہیں ہوں۔

باب 8 (Chapter) کے مضامین

مالِ فئے کسے کہتے ہیں؟ عہد نبوی میں مال کا کوئی دیوان و دفتر نہیں تھا۔ نہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب فتوحات ہوئیں، اور بیشمار مال و دولت آنے لگی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان و دفتر بنانے کا حکم فرمایا۔ رشوت قطعاً حرام ہے جو امراء و حکام کو ہدیہ کے نام سے دیا جاتا ہے، رشوت ہے۔

مالِ فئے کی اصل سورہ حشر کی یہ آیتیں ہیں: غزوہ بنی النضیر کے وقت جو غزوہ بدر کے بعد ہوا ہے

یہ آیتیں نازل ہوئیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ مَا آفَاءَ
اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا
آتَاكُم الرُّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ
فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝
وَالَّذِينَ تَبَوَّأُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُخْجَلُونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا
يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ
بِهِمْ حَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوْقْ شَحْ نَفْسِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَالَّذِينَ
جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ۝

(سورہ حشر ۱)

اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو بغیر لڑے مفت میں ان سے دلوا دیا، تو مسلمانو! تم نے اس
کیلئے کچھ دوڑ دھوپ تو نہیں کی، نہ گھوڑوں سے نہ اونٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس
پرچا ہے قابض کر دے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جو مال اللہ اپنے رسولوں کو ان بستیوں
کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو وہ اللہ کا حق ہے، اور رسول کا، اور رسول کے
قربنداروں کا، اور یتیموں کا، اور محتاجوں کا، اور بے توشہ مسافروں کا، یہ حکم اس لئے دیا گیا
کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں یہ مال انہی میں دائر ﴿﴾ میں ﴿﴾ نہ رہے، اور مسلمانو! جو

چیز پیغمبر تم کو ہاتھ اٹھا کر دے دیا کریں لے لیا کرو، اور جس چیز کے لینے سے تم کو منع کریں اس سے باز رہو، اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو، کیونکہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے، وہ مال جو بغیر لڑے مفت میں ہاتھ لگا، منجملہ اور حقداروں کے، محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے، جو کافروں کے ظلم سے اپنے گھر اور مال سے بیدخل کر دیئے گئے، اور اب وہ اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہی تو سچے مسلمان ہیں، اور ہاں وہ مال جو بغیر لڑے ہاتھ آیا ہے انکا بھی حق ہے کہ ان سے پہلے مدینہ میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور مال غنیمت میں سے مہاجرین کو جو کچھ بھی دیا جائے اسکی وجہ سے یہ اپنے دل میں کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو ﴿انہیں﴾ اپنے ﴿آپ﴾ سے مقدم رکھتے ہیں، اور بخل تو سب کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور ہاں جو مال بغیر لڑے ہاتھ آیا ہے انکا بھی حق ہے جو مہاجرین اولین کے بعد ہجرت کر کے آئے اور دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ان کو جو ایمان لا چکے ہیں انکی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے اور ہمارے رب! تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہاجرین اور انصار اور ان لوگوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو بعد میں ان اوصاف سے متصف ہیں، پس تیسری قسم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو۔ اور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے جس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہیں:

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۝

(الانفال ع ۱۰)

اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جہاد بھی کئے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں:

اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہیں:

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ ۖ (توبہ ع ۱۲)

اور وہ جو اُن کے بعد خلوص دل سے ایمان لائے اور اسلام لائے میں داخل ہوئے۔

اور جس طرح اس اللہ تعالیٰ کے قول میں داخل ہیں:

وَأَخْرَجَ مِنْهُمْ لِمَا يَلْحَقُوا بِهِمْ ط وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (جمعہ ع ۱)

اور دوسرے وہ لوگ جو ابھی تک اُن میں شامل نہیں ہوئے مگر آخر کار ان میں آئیں گے

اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

اور ”أَوْ جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ“ کے معنی یہ ہیں کہ تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو حرکت نہیں دی، نہ جہاد کے لئے انہیں چلایا اور دوڑایا ہے۔ اور فقہاء کرام نے اسی معنی کے لحاظ سے کہا ہے ”مال فئے وہ ہے جو کفار سے بغیر قتال و جنگ لیا گیا ہو“، أَوْ جَفْتُمْ کا مصدر ایجاف ہے اور ”ایجاف“ کے معنی قتال و جنگ ہے، إِيْجَافُ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ کے معنی ہی قتال و جنگ کے ہیں۔ یعنی تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو حرکت نہیں دی نہ چلایا۔

اور اس قسم کے مال کو ”فئے“ اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے یہ مال و

دولت بلا قتال و جنگ دلویا ہے۔

پس اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اسی لئے دی ہے کہ اس کی عبادت کے لئے معین و مددگار بنے، اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ پس جبکہ کفار اللہ کی عبادت نہیں کرتے نہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کرتے ہیں، تو یہ مال مسلمانوں کے

••••• 55 ••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

لئے حلال و جائز کر دیا تاکہ یہ اس مال سے قوت حاصل کریں۔ اور اللہ کی عبادت کریں۔ کیونکہ مسلمان بندے اللہ ہی کی عبادت کیا کرتے ہیں اور اس لئے ”مالِ فتنے“ ان کو دیا گیا جس کے وہ حقدار اور مستحق تھے۔ اس طرح جس طرح کسی کے میراث و ترکہ غصب کر لیا جاتا ہے، اور پھر اُسے واپس دلایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس سے پیشتر وہ دوسروں کے قبضے میں تھا۔ اس کا قبضہ نہیں تھا، یا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ سے جزیہ لیا جاتا ہے، یا جس سے دشمن کے ساتھ صلح کی جاتی ہے، یا وہ مال جو سلطان کو غیر مسلموں سے ہدیہ میں ملتا ہے، یا جس طرح کہ نصاریٰ وغیرہ آبادیوں سے گزرتے وقت سواری کا انتظام کیا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

غرض! یہ کہ مالِ فتنے مسلمانوں کے لئے حلال و جائز کر دیا۔ تاکہ مسلمان اس مال سے قوت حاصل کریں۔ اور اللہ کی عبادت کیا کریں۔

اور سوداگران اور تجار اہل حرب سے جو کچھ لیا جاتا ہے، وہ مال کا دسواں حصہ یعنی عشر ہے۔ اگر یہ سوداگر ذمی ہیں اور اپنی آبادیوں سے نکل کر دوسروں کی آبادیوں میں تجارت کرتے ہیں تو ان سے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جائے، خلیفہ دوم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اور وہ مال بھی اس میں داخل ہوگا جو عہد شکنی کرنے والوں سے لیا جاتا ہے۔ اور خراج کا مال بھی اس میں شامل ہوگا، جو کفار پر لاگو کیا گیا ہے، اگرچہ اس میں سے کچھ حصہ بعض مسلمانوں پر بھی لاگو ہو جائے گا۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے کافر کے پاس کوئی زمین تھی اور اب وہ مسلمان کے پاس آگئی تو اصل چونکہ خراجی زمین ہے، مسلمان پر بھی وہی خراج ہوگا، جو اصل زمین پر مقرر کیا گیا تھا)۔

اور پھر یہ کہ مالِ فتنے کے ساتھ ہمہ قسم کا مال جمع کر دیا جائے گا، اور جس قدر بھی سلطانی مال ہے وہ سب مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، مثلاً وہ مال جس کا کوئی مالک نہیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان فوت ہو گیا اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے، یا مالِ مغضوب، یا مالِ عاریت یا مالِ ودیعت کہ جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور یہ مال زمین ہے یا مالِ منقولہ، اور اس قسم کے دوسرے

مال، یہ سب کا سب مال مسلمانوں کا ہے۔ اور بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

اور قرآن مجید میں صرف مال فتنے کا ذکر ہے، دوسرے مال کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی میں جس قدر اموات ہوئیں ان کے وارث موجود تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نسب سب کو معلوم تھا۔

اور اگر کوئی فوت ہو جائے اور کوئی بھی وارث نہ ہو تو اُس کا ترکہ اُس آبادی میں رہنے والوں کو دے دیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ تھا کہ میراث و ترکہ کے لئے ادنیٰ سے ادنیٰ سبب کافی تھا جو میت میں اور اس میں پایا جائے۔

اور مسلمانوں سے باقاعدہ جو مال لیا جاتا تھا وہ ﴿﴾ صرف ﴿﴾ صدقہ زکوٰۃ تھا۔ صدقہ زکوٰۃ کے سوا ان سے کچھ ﴿﴾ بھی ٹیکس وغیرہ ﴿﴾ نہیں لیا جاتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو یہ فرماتے: مسلمان فی سبیل اللہ مال و جان سے غزوہ و جہاد میں شرکت کریں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائیں۔

عہد نبوی اور عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں مال مقبوضہ جو تقسیم کیا جاتا تھا اس کا کوئی جامع دیوان و دفتر نہیں تھا بلکہ مناسب طریقہ سے مسلمانوں کو بانٹ دیا جاتا۔ عہد امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں مال اور ملک کی وسعت بہت زیادہ ہو گئی تو مقتاتلین، مجاہدین اور اہل بخشش کے لئے دیوان و دفتر بنائے گئے، اور خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیوان و دفتر بنوائے، جن میں اکثر مجاہدین اور فوج کے نام درج تھے، یہ دیوان اور دفتر آج مسلمانوں کے لئے نہایت اہم اور شاندار ہیں۔

شہروں اور آبادیوں سے جو خراج اور فتنے وغیرہ کا مال لیا جاتا تھا اس کے دیوان و دفتر علیحدہ تھے۔ عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں اور اس سے پہلے جو مال آتا تھا، تین قسم کا تھا، جن میں ایک قسم کے مال پر امام و امیر ﴿﴾ یعنی حاکم وقت ﴿﴾ کا قبضہ ہوتا تھا، اور امام و امیر کو ہی اس کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع ﴿﴾ اُمت ﴿﴾ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اور ایک قسم کا مال وہ ہے جس کا لینا امام و امیر ﴿﴾ حاکم وقت ﴿﴾ کے لئے حرام تھا، جیسے جنایات اور گناہ کی وجہ سے کوئی آدمی قتل کر دیا گیا،

••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام ••••• 57 •••••

اس کا مال کسی اور آبادی سے بیت المال کے لئے مال وصول کیا جائے گا اس کے وارث موجود ہوں یا کوئی حد کا مستحق ہے۔ اور کسی وجہ سے مال لے کر حد ساقط کر دی گئی۔

اور ایک تیسری قسم وہ ہے جس کے متعلق اجتہاد کو دخل ہے، اور علماء کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے، مثلاً کوئی آدمی مر گیا اس کا مال ہے، اس کے ذی رحم ﴿جیسے والدین، اولاد وغیرہ﴾ موجود ہیں لیکن ذوی الغروض ﴿﴾ میں کوئی نہیں ہے، نہ کوئی عصبہ ﴿﴾ موجود ہے، اور اس کے مثال اور واقعات، تو اس میں علماء کی راہ اور مسلک علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اکثر والیان ملک اور رعیت مظالم سے دوچار ہوتے ہیں۔ والی اور امیر حلال و حرام کا پاس نہ رکھتے ہوئے رعایا سے مال وصول کرتے ہیں۔ اور رعایا اپنے فرض سے غافل رہتے ہوئے مال کو روک لیتی ہے، مثلاً جند ﴿فوج﴾ و لشکر اور فلاعین زراعت پیشہ لوگوں میں ظلم ہوتا ہے یا مثلاً لوگ فرض جہاد کو ترک کر دیتے ہیں، اور والیان ملک بیت المال میں اللہ تعالیٰ کا مال جمع کرتے ہیں۔ لیکن حلال و حرام کا قطعاً پاس و لحاظ نہیں کرتے، اور مال نہ ادا کرنے پر عقوبت و سزا دی جاتی ہے ﴿جیسے آجکل ٹیکس وغیرہ وصول کرنے والے مسلمانوں پر ہی ظلم و جور کر رہے ہیں اور نہ دینے پر سزا دے رہے ہیں﴾، مباح یا واجب چیز کو چھوڑ کر ایسے کام کر گزرتے ہیں جو والیان ملک کے لئے کسی طرح جائز اور حلال نہیں ہیں۔

اور اصل یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس ایسا مال ہے جس کا ادا کرنا اس کے لئے فرض ہے، مثلاً اس کے پاس کسی کی ودیعت و امانت رکھی ہوئی ہے، یا کسی سے مضاربت یا شرکت ہے یا مؤکل کا مال ہے، یا کسی یتیم کا یا وقف مال ہے، یا بیت المال کا مال ہے، یا مثلاً قرض دار ہے اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ قرض ادا کر سکتا ہے، جب ایسا آدمی واجب و حق کو روک لے اور ادا نہ کرے خواہ بعینہ ہو، یا قرض ہو اور امام جان لے کہ یہ آدمی قرض ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے، تو ایسے آدمی کو عقوبت اور سزا دی جائے گی، یہاں تک کہ وہ اپنا مال بتا دے، یا مال کی جگہ بتلا دے کہ فلاں مقام پر مال ہے۔ جب یہ یقین و باور ہو جائے کہ اس کے پاس مال ضرور ہے، اس کو قید و بند میں رکھ دیا جائے، اور اس وقت تک قید میں

••••• 58 ••••• حکمران پیورہ کر لیں اور عوام

رکھا جائے کہ وہ مال ظاہر کرے، اور بتلا دے، مار مارنے کی ضرورت نہیں، اگر مال بتانے اور ادائے دین یعنی قرض وغیرہ سے انکار کرے تو اُسے مارا پیٹا جائے یہاں تک کہ حقداروں کا حق ادا کرے، یا ادا کرنا ممکن ہو جائے۔ اور یہی حکم نفقہ واجبہ کا ہے، جبکہ وہ نفقہ دینے پر قدرت رکھتا ہو، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے عروہ بن شرید عن ابیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

اَلْوَا جِدُ يَحِلُّ عِرْ ضُهُ وَ عَقُوْبَتُهُ. (رواہ اہل السنن)

جو مال پائے اور نہ دے اس کا مال عزت آبرو اور اس کو عقیبت و سزا دینا حلال ہے۔
پانے والے کا مال لے لینا، اس کو عقیبت و سزا دینا حلال اور جائز ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ. (رواہ الصحيحین)

مالدار نہ ہند ظالم ہے۔

اور حقدار کے حق کی ادائیگی میں دیر کرنا سراسر نادہندگی اور ظلم ہے۔ اور ظالم عقیبت و سزا کا مستحق ہے۔ اور یہ متفق علیہ اصول و کلیہ ہے کہ حرام کا مرتکب اور واجب کا ترک کرنے والا مستحق عقیبت و سزا ہے، پس اگر شریعت میں اس کی سزا مقرر نہیں ہے تو ولی الامر حاکم وقت، قاضی یا جج اجتہاد سے کام لے اور اسے تعزیر کرے، اور نادہند مالدار کو سزا دے، اگر وہ پھر بھی مال نہ دینے پر مصر ہے تو مار ماری جائے یہاں تک کہ وہ واجب ادا کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس پر فقہاء کی صریح نص و تصریح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ نے اس کی پوری تصریح کر دی ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، سب کے سب اس پر متفق ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے سونا چاندی اور اسلحہ و ہتھیار کے عوض صلح کی اور یہودیوں نے اس کا وعدہ کیا، تو بعض یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، اور پوچھنے والا سعید جو

••••• 59 ••••• حکمران پیور دکر لسی اور عوام

جی بن اخطب کا چچا تھا، اس نے جی بن اخطب کے خزانے کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

أَذْهَبَتْهُ النَّفَقَاتُ وَالْحُرُوبُ.

مال خرچ ہو گیا اور لڑائیاں لے گئیں۔

اس نے کہا آپ سے ابھی تو معاہدہ ہوا اور معاہدہ کی رو سے یہ مال بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سعید کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے اس کو سزا دی، راوی کہتا ہے کہ میں نے جی بن اخطب کو فلاں خرابے میں گھومتے دیکھا ہے، لوگ وہاں پہنچے، اور خرابے کو گھوم پھر کر دیکھا، ٹٹولا تو بہت سامشک اس خرابے سے نکلا۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی ذمی تھا، اور ذمی کو بغیر گناہ اور حق کے عقوبت و سزا نہیں دی جاتی۔ اور یہ حکم ہر واجب اور ضروری چیز کو چھپانے والے کا ہے، جبکہ وہ واجب و ضروری چیز کے بتلانے میں کوتاہی کرے، ترک واجب کی بنا پر اسے سزا دی جائے گی۔

وہ مال جو والیان اموال ﴿کسٹم و انکم ٹیکس افسر، لے﴾ لے، مسلمانوں کا مال بغیر حق، بلا استحقاق لے لیا ہو۔ ولی الامر عادل ﴿حکمران﴾ کا فرض ہے کہ اس مال کو ان سے وصول کرے، مثلاً وہ ہدایا اور تحفے جو انہوں نے اپنے عمل اور عہدے کے ذریعہ حاصل کئے ہیں، چنانچہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

هَدَايَا الْعُمَّالِ غُلُولٌ.

عمال کے ہدایہ غلول و غبن ہیں۔

اور ابراہیم حربی رحمہ اللہ اپنی کتاب الہدایا میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ هَدَايَا الْأُمَرَاءِ غُلُولٌ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اُمراء ﴿حکام اور اہل اختیار﴾ کے ہدایا اور تحفے غلول و غبن ہیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے قبیلہ ازد

••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام ••••• 60 •••••

کے ایک آدمی کو جس کا نام ابن اللتبیہ تھا، صدقہ زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل ﴿تحصیلدار﴾ مقرر کیا، اس نے آکر مال پیش کیا اور کہنے لگا: یہ مال آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیئے میں ملا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَا بَالُ الرَّحْلِ نَسْتَعْمِلُهُ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانا اللَّهُ فَيَقُولُ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا
أُهْدَى إِلَيَّ فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُّهُمَا إِلَيْهَا مَلًا.
وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى رَقَبَتِهِ
إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةٌ لَهَا خُورٌ أَوْ شَاةٌ نَنْعَدُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى
رَأَيْنَا غَفْرًا بَطْنِيهِ. اللَّهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ ثَلَاثًا.

اس شخص کا کیا حال ہے جس کو ہم عمل اور کام سپرد کرتے ہیں اور وہ آکر کہتا ہے، یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیئے میں ملا ہے، کیوں وہ باپ یا ماں کے گھر میں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ یہ تحفے اور ہدایا اسے ملتے ہیں؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چیز بھی وہ لے گا قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی، اگر اونٹ ہے تو وہ چلا رہا ہوگا، اگر گائے ہے تو وہ بلبلاتی چیختی ہوگی، اور بکری ہے تو وہ میں میں کرتی ہوگی، اسکے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اتنے اٹھائے کہ آپ کی بغل ہم نے دیکھی اور فرمایا: اے اللہ میں نے پہنچا دیا، اے اللہ میں نے پہنچا دیا۔ تین دفعہ آپ نے یہ فرمایا۔

اور یہی حکم ان والیان امر ﴿باختیار افسران و اعلیٰ سول و فوجی حکام﴾ کا ہے جو معاملات میں ہدایا اور تحفے لے کر کسی کی امداد و اعانت کریں مثلاً ﴿ٹھیکہ جات﴾ ﴿بیج و شراء﴾ ﴿خرید و فروخت﴾، مואجرۃ ﴿سرکاری ملازمتیں اور نوکری﴾، مضاربت ﴿پارٹنرشپ﴾، مساقات ﴿نہروں و دریاؤں وغیرہ کا پانی کسانوں کو کھیتوں کے لئے دینا یا دلانا کہ کسی کی بای پہلے کردی کسی کی بعد میں یا کسی کو پانی کم دیا اور کسی کو زیادہ﴾، مزارعۃ ﴿زمین کی ٹھیکہ داری، بیج و کھاد کی فراہمی﴾ وغیرہ۔ اس قسم کے معاملات میں

••••• 61 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

کسی قسم کا بھی ہدیہ اور تحفہ لے کر کام کریں، تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور اسی بنا پر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بعض عمال ﴿گورنر، افسران اور حکام﴾ سے کہ جن کے پاس مال بھی تھا، اور قرض بھی تھا، اور خیانت سے بھی وہ ہمت نہیں تھے، آدھا آدھا کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عمال کے ساتھ ایسا سلوک اس لئے کیا کہ انہوں نے ولایت امر ﴿باختیار اور مجاز افسر و گورنر، ڈائریکٹر وغیرہ ہونے﴾ کی حیثیت سے ہدایا اور تحفے لئے تھے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو والی و عامل مقرر کیا تھا، اور یہ امر اس کا مقتضی بھی تھا۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ امام عادل تھے، اور مال کی صحیح تقسیم انہی کا کام تھا۔

جب امام اور رعایا دونوں میں تغیر آجائے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق اپنے فرض کو انجام دے، حرام کو چھوڑ دے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مباح کی ہے اُسے حرام نہ کرے۔

کبھی لوگ والیان ملک ﴿سول و فوجی حکام﴾ سے اس لئے ابتلاء و مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں کہ یہ ہدایا اور تحفے نہیں دیتے کہ ہدایا اور تحفے دے کر ان کے مظالم سے چھوٹیں۔ اور جو فرض والی امر ﴿گورنر و افسر﴾ کا ہے، وہ چھوڑ دیتا ہے، پھر بھی کف ظلم کے عوض ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا ان کے نزدیک محبوب ہے۔ اور باوجود اس کے کف و ظلم کے عوض وہ مال لیتا ہے۔ اور اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے لئے بچتا ہے۔ اس کا تو فرض یہ تھا کہ حسب قدرت و طاقت ظلم کو روکتا، اور لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں پوری کرتا۔ ان کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھتا، سلطان ﴿یعنی حاکم وقت﴾ تک ان کی حاجتیں اور ضرورتیں پہنچاتا، اور سلطان کو ان امور سے آگاہ و باخبر کر دیتا۔ ان کے مصالح سے بھی آگاہ کر دیتا، اور ان کو مفاسد سے بچاتا، اور اس بارے میں مختلف طریقے لطیف غیر لطیف اختیار کرتا، جس طرح کہ کاتب، منشی وغیرہ اپنی اغراض کے لئے کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

أَبْلَغُونِي حَاجَةً مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ ابْلَاغَهَا فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ ذَا السُّلْطَانِ حَاجَةً مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ ابْلَاغَهَا. ثَبَّتَ اللَّهُ قَدَمِيهِ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزُولُ الْأَقْدَامُ.

••••• 62 ••••• حکمران پیوردریسی اور عوام

ان لوگوں کو جو اپنی حاجتیں اور ضرورتیں مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، مجھ تک پہنچا دو کیونکہ جو شخص صاحب سلطنت تک ایسے لوگوں کی حاجتیں پہنچائیں جو خود نہیں پہنچا سکے تو اللہ تعالیٰ پل صراط پر اُسے ثابت قدم رکھے گا کہ جس دن بڑوں بڑوں کے قدم ٹکڑھڑ جائیں گے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے، اور سنن ابی داؤد میں ابی امامہ بابلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ شَفَعَ لَاحِدٍ شَفَاعَةً فَأَهْدَىٰ لَهُ عَلَيْهَا هَدِيَّةً فَيُقْبَلُهَا فَقَدْ أَتَىٰ أَبَا عَظِيمًا
مِنْ أَبْوَابِ الرَّبِّ

جس نے اپنے کسی بھائی کی سفارش کی، اور اس کے بدلہ اس نے ہدیہ/تحفہ بھیجا، اور اس نے اسے قبول کر لیا، تو وہ سود کے بڑے دروازے میں داخل ہوگا۔

اور ابراہیم حربی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کسی آدمی نے کسی سے اپنی حاجت پوری کرنے کو کہا، اور اس نے اس کی حاجت پوری کر دی، اور دوسرے نے ہدیہ بھیجا اور اس نے قبول کر لیا تو یہ حرام ہے۔

جناب مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے ابن زیاد سے کسی مظلّم کے متعلق بات چیت کی، اور انہوں نے ظلم کو دفع کر دیا۔ اس نے تحفہ میں ایک غلام دیا۔ انہوں نے اُسے مسترد کر دیا اور کہا میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جس مسلمان کا ظلم دور کیا، اور اس نے اس کے مقابلہ میں تھوڑا یا بہت کچھ دیا تو یہ حرام ہے، تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا اے ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ ہم تو سخت رشوت کے سوا کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا ”رشوت تو کفر ہے“۔

پس اگر والی، امیر، اپنے لئے ایسی چیز عمال سے نکلواتا ہے جو انہوں نے اپنے لئے اور اپنی اور اپنی اولاد کے لئے مخصوص کر رکھی ہے، تو اس صورت میں دونوں میں سے کسی کی اعانت نہیں کرنی چاہیئے، دونوں کے دونوں ظالم ہیں، جس طرح کہ ایک چور دوسرے چور کا مال چراتا ہے، یا دو گروہ

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 63 •••••

عصبيت اور رياست کے لئے لڑتے ہیں تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ آدمی ظلم کی اعانت و امداد کرے، کیونکہ تعاون و امداد دو طرح کی ہے، ایک نیکی اور تقویٰ کا تعاون و امداد مثلاً جہاد کرنا، حدود قائم کرنا، حقوق العباد دلوانا، مستحق اور حقداروں کے حقوق دلوانا وغیرہ، ایسی اعانت و امداد ایسا تعاون تو مامور من اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسا تعاون فرض قرار دیا ہے، اور اگر ڈر کے مارے نیکی اور نیک کام سے رک جائے، اور ظالم سے ڈر جائے مظلوم کی اعانت و امداد نہ کرے تو یہ بھی فرض عین یا فرض کفایہ کا تارک ہے، اور تارک فرض کا مجرم ہے، اگرچہ اپنی خوش فہمی سے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں ورع ﴿یعنی انتہائی زیادہ عبادت﴾ و تقویٰ کا پابند ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ اکثر جبن ﴿یعنی کم ہمتی﴾ و بزدلی، اور ورع و تقویٰ میں اشتباہ ﴿یعنی شبہ﴾ ہو جاتا ہے، اور جبن و بزدلی اور ورع دونوں میں انسان حق کی اعانت سے رُک جاتا ہے۔

دوسرا تعاون ”اثم و عدوان“ کا تعاون ہے مثلاً معصوم بے گناہ کا خون کیا جائے، یا اس کا مال لے لیا جائے۔ اور جو مار کا حقدار نہیں اسے مارا پیٹا جائے، یہ اور اس قسم کے گناہوں میں اعانت و امداد کرنا ”اثم و عدوان“ کی اعانت و امداد ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسی اعانت و امداد کو حرام قرار دیا ہے۔

البتہ جب کسی کا مال بلا استحقاق لے لیا گیا یا چھین لیا گیا، اور مال کے مالکوں تک اس کا پہنچانا کسی وجہ سے دشوار ہے مثلاً سلطانی مال کہ ایسا مال مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرنا چاہئے جیسے جہاد، اور لڑائی کے مورچے وغیرہ قائم کرنے پر خرچ کیا جائے، یا مجاہدین اور جنگ کرنے والوں پر خرچ کیا جائے تو یہ نیکی و تقویٰ کی اعانت و امداد ہوگی، کیونکہ سلطان ﴿حاکم وقت﴾ پر واجب و لازم ہے کہ اس قسم کا مال جبکہ اصل مالکوں کی وجہ سے نہ پہنچا سکے، اور نہ دے سکے، اور اس کے وارثوں کو نہ دے سکے تو سلطان کا فرض ہے کہ اگر اسی نے ظلم کیا ہے تو پہلے توبہ کرے، اور پھر مال کو مسلمانوں کی مصلحتوں پر مسلمانوں کے کاموں میں خرچ کرے، اور یہ جمہور علماء کا قول ہے، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام 64 •••••

بن جنبل رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں، اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا منقول ہے، اور شرعی دلائل بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ منصوص ہے۔

اگر وہ مال دوسروں نے لے لیا ہے تو سلطان کا فرض ہے کہ وہ اس مال کو اسی طرح خرچ کرے، اگر وہ مال جو سلطان نے کسی وجہ سے اصل مالک کو نہ دیا ہو تو مالک کی مصلحتوں پر خرچ کرنے میں اعانت کرے، کیونکہ مال ضائع کرنے کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، اس لئے کہ شریعت کا دار و مدار اللہ کے اس قول پر ہے:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (تغابن ع ۲)

مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

جو۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ (آل عمران ع ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

کی تفسیر کرتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر دار و مدار ہے۔

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اخراجہ فی الصحیحین)

جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق اُسے انجام دو۔

اور اس قول پر دار و مدار ہے، ”مصلح کی تحصیل و تکمیل کرنا“۔ اور مفسد کو کلیۃً دور کرنا یا کم کرنا

واجب و ضروری ہے۔

جب مصلح اور مفسد میں باہم ٹکرا ہو تو دو مصلحتوں میں سے جو بڑی ہو اختیار کی جائے۔ اور ادنیٰ

کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جو بڑا مفسد ﴿فساد اکبر﴾ ہو اسے دور کیا جائے، ادنیٰ مفسدہ ﴿چھوٹا فساد﴾

کے احتمال کے مقابلہ میں، یہی مشروع ﴿عمل﴾ ہے ۱۔

اور اثم عدوان کی اعانت کرنے والا وہ ہے جو ظالم کی اعانت کرے، لیکن وہ شخص جو مظلوم کی

کرے تو پہلے اسے سوچ لینا چاہئے کہ غیر مشروع منکر کس درجہ کا ہے، اگر اس کی اصلاح کی گئی تو کیا اس کی بجائے کوئی دوسرا غیر مشروع منکر تو نہیں پیدا ہوتا، جو اس سے بڑھ کر ہو۔ اگر اس سے بڑھ کر نہیں تو پھر اس کے مساوی اور باعتبار اثرات و مفاسد اس سے بڑھ کر تو نہیں ہے، ان ہر دو صورتوں میں اصلاح کا قصد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایک مفسدہ کی جگہ اس سے بڑھ کر مفسدہ پیدا ہو رہا ہے، جیسے کہ نبی کریم کعبۃ اللہ کی اصلاح کا ارادہ رکھتے تھے، حطیم کے حصہ کو کعبۃ اللہ میں داخل کر کے پورا کر لینا چاہتے تھے، اور دو دروازے بنانا چاہتے تھے، ایک سے کعبۃ اللہ میں داخل ہوں دوسرے نکل جائیں لیکن اس اصلاح سے مفاسد پیدا ہو نیکا اندیشہ تھا۔ تو مسلم لوگ طرح طرح کے خیالات دوڑانے لگتے اور بری طرح کی خرابیاں پیدا ہو نیکا اندیشہ تھا، اس لئے آپ نے اصلاح کا خیال ترک فرمادیا۔

اگر اصلاح کی یہ صورت ہے کہ اس کی اصلاح سے دوسرا منکر اس کے مساوی پیدا ہوتا ہے، لیکن باعتبار مفاسد اس سے کم درجہ رکھتا ہے، یا اس کی جگہ کم درجہ کا مفسدہ پیدا ہوتا ہے یا جو مفاسد پیدا ہوئے ہیں کم درجہ کے ہوتے ہیں۔ یا امر مستحسن پیدا ہوتا ہے، ان تین صورتوں میں اصلاح کے لئے اقدام فرض ہے اور اقدام میں کوتاہی کرنا گناہ ہے۔ (ابوالعلاء محمد اسماعیل کان اللہ)

اعانت ﴿وَمَدَدٌ﴾ کرتا ہے یا جو ظلم ہو رہا ہے اس میں کمی ہو اس کی اعانت کر رہا ہے، یا جو ظلم ہوا ہے اس کا بدلہ دلوانے کی کوشش کر رہا ہے تو یہ مظلوم کا وکیل ہوگا نہ کہ ظالم کا۔ اور یہ بمنزلہ اس شخص کے ہوگا جس نے قرض دیا۔ یا ظالم کے ظلم سے بچانے کے لئے کسی کے مال کا وکیل ہوا۔ مثلاً یتیم کا مال، یا وقف کا مال ہے، اور یتیم اور وقف کے مال میں سے کسی ظالم نے خواہ مخواہ طلب کیا، اور اس کے ولی نے بدرجہ مجبوری کم سے کم دینے کی کوشش کی، ظالم کو دیا، یا ظالم نے دلویا، اور ولی نے پوری پوری کوشش کر کے کم سے کم دیا تو یہ محسن ہوگا۔ وَمَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ۔

اور اس حکم میں وہ وکیل بھی داخل ہیں جو مال ادا کرانے میں شہادت دیتے ہیں۔ اور اس کے لکھنے میں شریک ہیں۔ اور جو عقد میں قبضہ کرنے میں اور مال دلوانے میں شریک ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔ اس ظلم کے متعلق جو کسی آبادی، قریہ، یا راستہ، یا بازار، یا کسی شہر پر کیا جائے اور کوئی محسن شخص اس ظلم کو دفع کرنے میں درمیاں لگی کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے، اور ہر امکانی کوشش عدل و انصاف کے

ساتھ برتنے، اور بقدر طاقت بلا خوف، بلا لومہ لائم ﴿طعن و تشنیع اور لعن طعن﴾، بغیر رشوت لئے مال دلوانے اور دینے میں کوشش کرے تو وہ بھی محسن ہوگا۔

لیکن آج کل غالب یہ ہے کہ جو شخص بھی مداخلت کرتا ہے ظالم لوگوں ہی کی وکالت کرتا ہے، ان سے ڈرتا ہے اور جو رشوت ملتی ہے، اس پر فخر کرتا ہے، اور جن سے جو چاہتا ہے لیتا ہے، اور یہ اکثر و بیشتر ظالم ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے، ان کے اعوان و مددگار بھی جہنمی ہیں، یقیناً ایسے لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

باب 9 (Chapter) کے مضامین

مال کی تقسیم اہم فال اہم کے اصول کے مطابق ہونی چاہئے۔ اہل نصرت و جہاد سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ مال فئے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ تمام مصالح المسلمین میں خرچ کیا جائے یا خاص مجاہدین کے لئے ہے۔ نبی کریم ﷺ مؤلفۃ القلوب کو بھی فئے سے دیا کرتے تھے ”أَنْ تُوْذُوْا لَا مَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا“ کی صحیح راہ۔

مال کے مصارف اور اس کی تقسیم مسلمانوں کے مصالح میں ہونی چاہئے۔ اور اہم فال اہم کے اصول کو مدنظر رکھنا واجب اور ضروری ہے، مثلاً عام مسلمانوں کو عمومی نفع اور فائدہ پہنچے، انہی لوگوں میں اگر باب نصرت و جہاد بھی ہیں، اور مال فئے میں سب سے زیادہ مستحق مجاہدین اسلام ہیں، کیونکہ مجاہدین کے بغیر مال فئے کا حاصل ہونا ناممکن ہے، انہی مجاہدین کے ذریعہ ہی یہ مال وصول ہوتا ہے، اور اسی لئے فقہاء اسلام نے اختلاف کیا ہے کہ مال فئے انہی مجاہدین پر صرف کیا جائے یا یہ کہ ہر قسم کے مصالح ﴿اصلاحی کام﴾ میں صرف کیا جائے؟ مال فئے کے علاوہ جس قدر بھی مال ہے اس میں تمام مسلمان، اور مسلمانوں کے تمام مصالح شامل ہیں، اور اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ صدقات، زکوٰۃ، اور

مالِ غنیمت کو مخصوص کر دیا ہے، اور مستحقین و حقدار یہ لوگ ہیں۔

عالمین ﴿اٹکھا کرنے والے﴾، صاحبِ ولایت ﴿حکام﴾ وغیرہ، مثلاً والیان امر ﴿گورنرو مجاز افسر﴾۔ قضاۃ/جج، علماء اور وہ لوگ جو مال جمع کرنے، اس کی حفاظت اور تقسیم وغیرہ جن کے سپرد ہے، یہاں تک کہ نماز کے امام اور مسجدوں کے مؤذن وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں، اسی طرح وہ اُجرت بھی اس میں داخل ہے جس سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے، مثلاً سرحدوں پر مورچے باندھنا، اسلحہ وغیرہ کے لئے خرچ کرنا۔ اور وہ عمارتیں بنوانا جن کی تعمیر ضروری ہے، لوگوں کے لئے راستے درست و ہموار کرنا، چھوٹے بڑے پل تعمیر کرنا، پانی کے راستے ہموار کرنا، نہریں وغیرہ بنوانا، یہ تمام چیزیں مال کے مصارف میں شامل ہیں۔ صاحبِ ضرورت اور مستحق لوگ بھی اس میں شامل ہیں۔

فقہاء نے اختلاف کیا ہے، صدقہ زکوٰۃ کے علاوہ مالِ فنی وغیرہ میں ضرورت مند لوگوں کو مقدم رکھا جائے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب میں دو قول ہیں، کچھ لوگ ان کو مقدم رکھتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں نہیں بلکہ اسلام ﴿کے کاموں﴾ کا استحقاق رہے گا۔ یہ لوگ سب کو مشترک اور برابر کے حقدار مانتے ہیں، جس طرح کہ وراثت میراث و ترکہ میں مشترک ہیں۔

لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ ضرورت مندوں کو مقدم رکھا جائے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ حاجتمندوں کو مقدم رکھتے تھے، مثلاً بنی نضیر کے مال میں حاجتمندوں اور ضرورت مندوں کو آپ ﷺ نے مقدم رکھا تھا، چنانچہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَيْسَ أَحَدٌ أَحَقُّ بِهَذَا الْمَالِ مِنْ أَحَدٍ إِنَّمَا هُوَ الرَّجُلُ وَسَابِقَةُ وَالرَّجُلُ وَ عَنَائَتُهُ وَالرَّجُلُ وَبَلَائُهُ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهُ.

یہ مال سب میں مشترک ہے یہ مال اس آدمی کو ملے گا جس نے جہاد میں سبقت کی اس کو ملے گا جس نے مشقت برداشت کی، اس آدمی کا حق ہے جو ابتلاء میں پھنس گیا، اور وہ حقدار ہے جو ضرورت مند ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مال چار قسم کے لوگوں پر تقسیم فرمایا:

- 1- سوابق پر جن کی مسابقت کی وجہ سے مال وصول ہوا ہے۔
- 2- ان لوگوں پر جو مسلمانوں کے لئے خاص قسم کی سعی و کوشش کرتے ہیں، مثلاً والیان امر ﴿حکام﴾، اور وہ علماء جو لوگوں کو دین و دنیا کے منافع حاصل کرنے کے راستے بتلاتے ہیں اور جو نقصان اور ضرر کی مدافعت کے لئے مصائب برداشت کرتے ہیں۔ مثلاً مجاہدین فی سبیل اللہ جو اسلام کے لشکر میں موجود ہیں۔
- 3- اور وہ خاص خاص لوگ جو جہاد و قتال کے طریقے بتلاتے ہیں اور انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہیں، اور ان کے مثل۔
- 4- وہ لوگ جو حاجت مند اور ضرورت مند ہیں۔

جس وقت ان چار قسم کے لوگوں کی جانب سے اطمینان ہو جائے گا تو سمجھ لو اللہ تعالیٰ نے اس مال سے لوگوں کو فہمی کر دیا، اس کے بعد کفایت کے مطابق دیا جائے، یا اس کے عمل کے مطابق۔ جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ مال باعتبار آدمی کی منفعت اور بلحاظ اس کی ضرورت و حاجت کے دیا جائے گا اور یہ مال وہ ہوگا جو مسلمانوں کے لئے ہے۔ صدقہ و زکوٰۃ کا بھی یہی حال ہے، اور اگر اس سے زیادہ مال ہے، اس میں بھی اسی قدر استحقاق ہے جس قدر اس جیسے مال میں حقداروں کا حق ہے مثلاً مال غنیمت، اور مالی میراث، ان کے حقدار بھی متعین و مقرر ہیں۔

امام المسلمین رحمہ اللہ حاکم وقت ﴿کوکسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے نفس کی خاطر یا قربت کی وجہ سے یا دوستی اور محبت کی وجہ سے غیر مستحق و غیر حقدار کو کچھ دیدے، چہ جائیکہ حرام میں خرچ کرے مثلاً مخنث/خسروں لڑکوں اور امر و آراء غلاموں کو دیا جائے، طوائف بازاری عورتوں، اداکار، اداکاراؤں، گلوکاروں، سنگرز، مسخروں کو دیا جائے، یا ہاتھ دیکھنے والوں، کاہنوں، نجومیوں وغیرہ کو دیا جائے، ہاں تالیف قلوب کے لئے ایسا شخص ہے کہ اس کے لئے یہ مال لینا حرام و ناجائز ہے، قرآن مجید میں مؤلفۃ

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 69 •••••

القلوب کے لئے صدقہ و زکوٰۃ دینا بھی مباح کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی مولفۃ القلوب کو فئے کے مال میں سے دیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو بھی دیا جائے جو اپنے قبیلہ کے مانے ہوئے سردار ہوں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اقرع بن حابس سردار بنی تمیم، اور عیینہ بن حصن سردار بنی فزارہ، اور زید الخیر الطائی سردار بنی نہمان، اور علقمہ بن علاشہ سردار بنی کلاب کو دیا تھا، اور جیسا کہ سردار ان قریش اور خلفاء وغیرہ کو دیا تھا۔ مثلاً صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان بن حرب، سہیل بن عمرو، خرث بن ہشام رضی اللہ عنہ اور بہت سے لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے دیا تھا، چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے ایک سونے کا ہار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، نبی کریم ﷺ نے اس ہار کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ اقرع بن حابس الحنظلی، عیینہ بن حصن فزاری، علقمہ بن علاشہ العامری، اور بنی کلاب کے آدمی زید الخیر الطائی جو بنی نہمان کا سردار تھا۔ وہ کہتے ہیں اس تقسیم سے قریش اور انصار بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے، آپ ﷺ صنادید نجد کو دیتے ہیں، اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے جواب دیا یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ ان کی تالیف قلوب منظور ہے، اس وقت ایک آدمی آیا جس کی داڑھی بہت گھنی تھی، رخسارے اٹھے ہوئے، آنکھیں چمکدار، پیشانی بڑی، اور سرمند اہوا تھا، کہنے لگا:

اَتَقِيَّ اللّٰهَ يَا مُحَمَّدُ .

اے محمد اللہ سے ڈرو!

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ اِنْ عَصَيْتُهُ اَيَا مَنِىْ اَهْلُ الْاَرْضِ وَلَا تَاْمَنُوْنِيْ .

اگر میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر کون اس کی اطاعت کرتا ہے؟ کیا سارے اہل زمین

مجھے امین سمجھیں اور تم مجھے امین نہ سمجھو۔

راوی کہتا ہے یہ آدمی اتنا کہہ کر چلتا ہو گیا، اس وقت قوم میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا کہ اسے قتل

••••• 70 ••••• عکمران پیورو کر لیں اور عوام

کر دے، صحابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ آدمی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، غیرتِ اسلامی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اٹھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے قتل کرنے کی اجازت مانگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَّ مَنْ ضَضَصَى هَذَا قَوْمًا يَقْرُونَ الْقُرْآنَ أَنْ لَا يُجَاوِزَ حَنَاجِرَهُمْ فَيَقْتُلُونَ
أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ. يَمْزُونُ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمُرُّ السَّهْمُ
مِنْ رَمِيهِ لَئِنْ أَذْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ.

اس کی نسل میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی لیکن اُن کے حلق سے نیچے نہیں
اترے گا، مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے، اسلام سے
وہ اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل بھاگتا ہے۔ اگر میں انہیں
پاؤں گا تو انہیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح قوم عاد قتل ہوئی تھی۔

سیدنا رفیع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوسفیان بن حرب،
صفوان بن امیہ، اور اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سوسواونٹ دیئے، اور عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو کچھ کم
دیئے تھے، عباس بن مرداس نے یہ اشعار پڑھے:

أَتَجْعَلُ نَهْيِي وَنَهْيِ الْعُجْبِ
يُدْبِنَ عُيَيْنَهُ وَوَالْأَفْرَعِ
کیا آپ میری اور میرے گھوڑے عبید کی لوٹ عینہ اور اقرع کو دیتے ہیں؟
وَمَا كَانَ حَصْنٌ وَلَا حَابِسٌ
يَفُوقَانِ مَرْدَاسَ فِي الْمَجْمَعِ
حصن اور حابس اجتماع میں مرداس سے فوقیت نہیں لے جاتے تھے
وَمَا كُنْتُ دُونَ أَمْرٍ مِنْهُمَا
وَمَنْ يَخْفِضُ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ

ان دونوں میں میں کسی سے کم تھا؟ وہ پلّہ جواٹھایا نہیں جاتا کس نے جھکا دیا؟

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اُسے بھی سواونٹ دے دیئے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے اور عبید، مرداس کے گھوڑے کا نام تھا۔

اور مؤلفۃ القلوب دو قسم کے ہیں، کافر اور مسلمان۔ کافر کی تالیف یہ ہے کہ اس سے فائدہ کی اُمیدیں وابستہ کی جائیں، کہ یہ اسلام لے آئیں گے، یا جو نقصان ان سے پہنچتا ہے وہ کم ہو جائے گا کہ دیئے بغیر یہ نقصان دُور نہیں ہوتا۔

اور مسلمان مؤلفۃ القلوب وہ ہیں جنہیں دینے سے فائدہ کی اُمیدیں وابستہ ہوں۔ مثلاً وہ مسلمان ہیں مال دیا جائے گا، پختہ اسلام سچے مسلمان بن جائیں گے، یا ان جیسے لوگ اسلام میں پختہ اور اچھے بن جائیں گے، یا دشمنوں کو ڈرا کر ان سے مال نکلوائیں گے۔ یا جن مسلمانوں کو نقصان اور ضرر پہنچ رہا ہے اس سے بچالیں گے، کہ دیئے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔

اس قسم کے عطیات گو بظاہر رئیسوں اور مالداروں کو دیئے جاتے ہیں، اور ضعیف اور کمزور چھوڑ دیئے جاتے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کا دستور ہے، لیکن نیتیں مختلف ہوتی ہیں کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ اگر دینے سے دینی مصلحت، اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود مقصود ہے تو یہ دینا اسی قبیل سے ہوگا جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء دیا کرتے تھے، اور اگر اس دینے سے مقصود علو فی الارض کبر و غرور اور فساد مقصود ہے تو یہ دینا اُسی قبیل سے ہوگا جیسا کہ فرعون اپنے لگے بندھے لوگوں کو دیا کرتا تھا۔

ان عطیات کو وہی لوگ بُرا سمجھتے ہیں جو فاسد دین رکھتے ہیں۔ اور بدنیت ہوتے ہیں جیسے ذی الخویصرہ کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے عطیے کو بُرا سمجھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس کے حق میں جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا، اور بدعا کی۔ اور جیسے کہ اس کے گروہ خوارج نے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکم بنا کر فیصلہ کیا۔ کسی مصلحت کی بنا پر کیا تھا، لیکن خوارج کھڑے ہو گئے، بگڑ گئے اور بغاوت شروع کر دی، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام تک اس تحکیم و فیصلہ

••••• 72 ••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

سے مٹا دیا۔ مسلمانوں کی عورتوں، بچوں کو اسیر بنا کر لے گئے۔ یہی لوگ تھے جن کے خلاف جہاد و جنگ، قتال اور لڑائی کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کیونکہ اُن کے پاس فساد اور باطل دین تھا، جس سے نہ ان کی دنیا درست ہوتی تھی نہ آخرت۔

بسا اوقات ورع ﴿انتہائی زیادہ عبادت﴾ اور حُجْن و بُزْدلی اور بخل میں اشتباہ ﴿شبہ﴾ ہو جاتا ہے، کیونکہ ترکِ عملِ دونوں میں پایا جاتا ہے۔ خشیتِ الہی سے فساد کو ترک کرنے اور بوجہِ حُجْن و بُزْدلی اور بخل کے جہادِ مامور میں خرچ نہ کرنے میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

شَرُّ مَا فِي الْمَرْءِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ. (قال الترمذی حدیث صحیح)

آدمی میں بُری سے بُری بدی بخل اور حرص اور حُجْن (کم ہمتی) و بُزْدلی ہے۔

اسی طرح بسا اوقات انسان عمل ترک کر دیتا ہے، اور گمان کرتا ہے، یا ظاہر کرتا ہے کہ یہ ورع و تقویٰ ہے حالانکہ یہ کبر و غرور اور اپنے آپ کو بلند درجہ پر لے جانے کا قصد ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے ایک ایسا جامع کامل، مکمل جملہ فرمایا ہے جو ترازو کا حکم رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.

اعمال نیتوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔

عمل کے لئے نیت ایسی چیز ہے جیسی جسم کے لئے روح، اگر ایسا نہیں ہے تو ایک شخص اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے، دوسرا شخص سورج اور چاند کے سامنے سجدہ کرتا ہے، کیا فرق ہے؟ دونوں اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں، دونوں کی صورت اور وضع ایک ہی ہے، غور کرو کہ اللہ کے سامنے پیشانی ٹیکنے والا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اقرب المخلوق ہے، اور سورج و چاند کے سامنے ٹیکنے والا اللہ سے بعید سے بعید ہے، یہ نیت ہی کا فرق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَوَّأ صَوًّا بِالصَّبْرِ وَتَوَّأ صَوًّا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ (سورۃ بلد: ع: ۱)

اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور نیز ایک دوسرے کو رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے۔

اور اثر میں ہے:

أَفْضَلُ الْإِيْمَانِ السَّمَاْحَةُ وَالصَّبْرُ.

بہترین ایمان سماحت اور صبر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کی نگرانی، رعایا پروری، ان کی سیاست بغیر جود و سخاوت کے جسے عطیات کہتے ہیں اور بلا تجدد و شجاعت، بہادری و دلیری کے ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ دین و دنیا کی اصلاح، فلاح و بہبود ان دو چیزوں کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، پس جو شخص ان دو چیزوں میں قائم اور مستقیم نہیں ہے اس سے امر و حکومت اور ولایت چھین لینی چاہئے اور دوسرے کو دے دینی چاہئے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتِلُمْ إِلَى الْأَرْضِ طَرَضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ أَلَا تَنْفِرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (توبہ: ۶)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے نکلو تو تم زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو، کیا آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر قناعت

کر بیٹھے ہو، اگر یہ بات ہے تو یہ تمہاری سخت غلط فہمی ہے کیونکہ آخرت کے فائدوں کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے محض بے حقیقت ہیں۔ اگر تم بلائے جانے پر بھی اللہ کی راہ میں لڑنے کیلئے نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑا دردناک عذاب دے گا، اور تمہارے بدلے دوسرے لوگوں کو لا موجود کرے گا، اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ (حديد ع ۱)

تم مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کئے اور دشمنوں سے لڑے وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے یہ لوگ درجے میں ان مسلمانوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کئے ہیں اور حسن سلوک کا وعدہ تو اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے۔

۱۔ فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے کا اجر و ثواب اس لئے بہت بڑا تھا کہ اسلام صرف مدینہ طیبہ ہی میں محدود تھا۔ اور مدینہ طیبہ بھی منافقوں اور اسلام کے دشمنوں سے بھرا ہوا تھا (باقی صفحہ ۷۴ پر) پس اللہ تعالیٰ نے اعظم ترین درجہ کو انفاق و سخاوت، قتال و جنگ، شجاعت و بہادری کے ساتھ معین کر دیا۔ مدینہ کی ہجرت سے پیشتر کفار مکہ آپ ﷺ کے خلاف جیسی جیسی سازشیں کرتے تھے وہ ظاہر ہے۔ مجبوراً طائف کا ارادہ کرتے ہیں کہ وہاں کچھ کامیابی نصیب ہو، لیکن وہاں کے لوگوں کی سرکشی سے مایوس ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے رفقاء کا بایکٹ کیا گیا شعب ابی طالب میں تین سال نظر بند رکھا گیا۔ چند صحابہ کو مجبوراً ہجرت حبشہ کی اجازت دی، تو کفار مکہ کا وفد ان کے خلاف بھیجا گیا۔ کفار مکہ دارلندوہ میں جمع ہو کر آپ کے خلاف تدبیریں سوچا کرتے ہیں اور بالآخر سرداران مکہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ہجرت کے لئے مجبور ہوتے ہیں ہجرت کرتے ہیں تو آپ ﷺ کی گرفتاری کے لئے بڑے بڑے انعامات کے وعدے ہوتے ہیں۔ مکہ میں آپ اور آپ ﷺ کے رفقاء اللہ کی عبادت بھی کھلی

••••• 75 ••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

طور پر نہیں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ باہر تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے ہیں تو آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے کفار کے نمائندے چلے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے خلاف آوازیں کستے ہیں، جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے ہیں تو یہود و نصاریٰ اور منافقوں سے آپ ﷺ کو پالا پڑتا ہے۔ یہ لوگ شب و روز مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، کفار مکہ کو روزانہ یہاں کی خبریں بھیجتے ہیں، کفار مکہ دارلندہ میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے خلاف تدبیریں سوچا کرتے ہیں۔ غزوہ بدر، غزوہ احد ان کی تدبیروں کا ادنیٰ سا کرشمہ تھا۔

غرض! اسلام محدود تھا۔ اور مسلمان ہر طرح بے بس تھے، مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کھانے پینے کے سامان سے بھی قاصر تھے۔ اور سارا ملک یہ سوچ رہا ہے کہ اسلام کو کس طرح مٹا دیا جائے، فتح مکہ سے پہلے اسلام کا خاتمہ صرف یہی ہے کہ صرف چند مسلمان ہیں ان کو ختم کر دیا جائے، اسلام عام طور پر پھیلا نہیں تھا۔ کہ اگر ایک جگہ کے مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے تو دوسری جگہ باقی ہیں، آج اگر چین میں ختم کر دئے جائیں تو ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور ملک کے دوسرے خطوں میں موجود ہیں لیکن فتح سے قبل یہ صورت نہیں تھی۔ کفار یہ چاہتے تھے اسلام کا خاتمہ کر دیں، اور وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ چند نفر ہیں ان کو مٹانا کیا دشوار ہے؟ لیکن اللہ ان کی حمایت کر رہا تھا، مسلمان پیغمبر اسلام کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اسلام کی سر بلندی کے لئے کوشاں تھے۔ کفار یہ یقین کئے بیٹھے تھے کہ ان چند مسلمانوں کو مٹا دینا اور اسلام کا خاتمہ کر دینا کیا مشکل ہے اگر آج نہیں تو کل ہم انہیں ختم کر دیں گے، لیکن اللہ کی امداد و اعانت مسلمانوں کے ساتھ تھی۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (توبہ: ۵)

اور وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے گو مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

غرض ان حالات میں ایسی بے بسی و بے کسی میں جہاد کرنا جہاد کے لئے خرچ کرنا، جان و مال کی بازی لگا دینا، جس قدر دشوار اور قابل قدر ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے اور یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جہاد کرنے والوں، خرچ کرنے والوں کا درجہ بہت بڑا ہے اللہ رب العزت ان سر بلندوں، اور بزرگوں، ایمان و یقین اور احسان کے ستونوں کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق دے۔ ان بزرگوں کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آج ہم انہیں کی

••••• 76 ••••• عکمران پیورو کریسی اور عوام

کوششوں کی وجہ سے اسلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اور قیامت تک دنیا میں اسلام کو قائم کر دیا۔ اور اسلام ہمیشہ باقی رہے گا۔ سر بلند رہے گا۔ کوئی اسے مٹا نہیں سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ پھلتا پھولتا ہی رہے گا۔ اور انہیں بزرگوں کی کوششوں کی وجہ سے پھلتا پھولتا رہے گا۔ (ابوالعلاء محمد اسماعیل کان اللہ)

اور قرآن مجید میں بہت سے مقامات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا جاتا ہے:

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ. (توبہ: ع: 3)

اور اپنے جان و مال سے اللہ کے رستے میں جہاد کئے۔

اور بخل کو کبیرہ گناہ کہا ہے۔ فرمایا جاتا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط (آل عمران: ع: ۱۸)

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل و کرم دیا ہے اور وہ اسے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے کیونکہ جس مال کا بخل کرتے ہیں عنقریب قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان گلے میں پہنایا جائے گا۔

اور فرمایا جاتا ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (توبہ: ع: ۵)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو روز قیامت کے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔

اسی طرح جبن اور بزدلی کی مذمت فرمائی ہے مثلاً فرمایا جاتا ہے:

وَمَنْ يُؤْلِهِمْ يَوْمَئِذٍ ذُبْرَةً إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (انفال: ع: ۲)

اور جو شخص ایسے موقع پر کافروں کو اپنی پیٹھ دکھائے گا تو سمجھنا وہ اللہ کے غضب میں آگیا

••••• 77 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت بری جگہ ہے مگر لڑائی کے لئے پینتر ابدلنا ہو، یا اپنے لوگوں میں جا شامل ہونے کیلئے پھر جائے تو مضائقہ نہیں۔

اور فرمایا جاتا ہے:

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ ط وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرُقُونَ (توبہ: ۷۷)

اور مسلمانو! یہ منافق تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بھی تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ بُدول لوگ ہیں۔

اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے اندر بیشمار جگہ اس چیز کا بیان ہے اور یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ روئے زمین کے بسنے والے اس پر متفق ہیں۔ یہاں تک کہ عام ضرب المثل ہو گئی ہے کہ:

لَا طَعْنََةَ وَلَا جَفْنََةَ.

نہ نیزہ چلانا جانتا ہے نہ تکی مرد ہے۔

اور کہا کرتے ہیں:

لَا فَارِسَ الْخَيْلِ وَلَا وَجْهَ الْعَرَبِ.

نہ گھوڑے کی سواری جانتا ہے نہ عرب کا وجہ انسان ہے۔

یہاں ﴿بیوروکریسی میں﴾ تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جن پر دنیا کی محبت غالب ہے۔ ان کا مقصد صرف اللہ کی زمین پر اپنی برتری، علو اور بڑائی، غرور، تکبر، فساد و فساد ہے۔ آخرت کا انہیں مطلقاً خیال نہیں ہے۔ اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ عطیہ اور انعام و اکرام کے بغیر ان کی سلطنت باقی نہیں رہ سکتی، اور یہ اس کی قدر نہیں رکھتے، اور اس لئے وہ حرام مال وصول کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ غارتگر، اور لٹیرے بن جاتے ہیں، اور کہتے ہیں:

”ولایت و امارت سلطنت و حکومت اسی کو ملتی ہے جو کھاتے

کھلاتے، دیتے دلاتے رہتے ہیں۔ عقیف، پاک دامن لوگ قطعاً

محروم رکھے جاتے ہیں اور اس پر اس کے امراء رؤسا خفا ہو جاتے ہیں، بگڑ جاتے ہیں اور اُسے معزول کر دیتے ہیں،

ایسے لوگ دنیاے عاجل کو دیکھتے ہیں اور کل آنے والی دنیا کو بھول جاتے ہیں۔ اور آخرت کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اگر انہیں توبہ نصیب نہ ہوئی، اصلاح آخرت کی توفیق میسر نہ آئی تو خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بن کر رہ جاتے ہیں۔

دوسرا فریق ﴿بیوروکریسی میں﴾ وہ ہے جو اللہ کا خوف رکھتا ہے۔ مخلوق و رعایا پر ظلم کرنا بُرا سمجھتے ہیں۔ حرام مال سے بچنے کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ عمدہ سے عمدہ اور اچھا سے اچھا فرض ہے۔ باوجود اس کے وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ

سیاست پوری طرح انجام نہیں پاتی جب تک حرام نہ لیا جائے اور حرام نہ کھایا جائے اور اس لئے وہ سیاست ہی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس قسم کے کاموں سے مطلقاً علیحدہ رہتے ہیں۔

اور بسا اوقات ان میں قدرتی جن ﴿کم ہمتی﴾ بزدلی اور مخلوق اللہ سے چڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے پاس ایسا دین ہوتا ہے کہ واجب کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور یہ ترک بعض محرمات سے زیادہ مضر ہوا کرتا ہے، فرض چیز کو چھوڑ دینا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے رک جانا، ترک جہاد کے مترادف ہوا کرتا ہے۔ کبھی یہ لوگ غلط تاویل کر لیتے ہیں، اور تاویل کر کے اچھے اور فرض کام سے رُک جاتے ہیں۔

اور کبھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں اس کام سے انکار واجب ہے۔ اور یہ انکار قتال و جنگ کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اور اس لئے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی قتال و جنگ کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ خوارج نے کیا، یہ ایسے لوگ ہیں جن سے نہ دنیا بنتی ہے اور نہ دین بنتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ان لوگوں سے دین کے بعض گوشے، اور بعض اُمور دنیا، اصلاح پزیر ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی ان کی اجتہادی

••••• 79 ••••• حکران بیورو کریسی اور عوام

غلطی معاف بھی ہو جاتی ہے۔ ان کا قصور اور خطا بخش دی جاتی ہے۔ اور کبھی ایسے لوگ سب سے زیادہ نقصان اور گھائے میں پڑ جاتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہوا کرتے ہیں جن کی سعی و کوشش ضلالت و گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ اور یہ طریقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو نہ تو اپنے لئے کچھ حاصل کرتے ہیں نہ غیر کو کچھ دیتے ہیں، صرف فاسق فاجر لوگوں کی تالیف قلوب کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں، مولفۃ القلوب کو دینا ایک قسم کا ظلم و جور ہے۔ ان کو دینا حرام ہے۔

﴿بیورو کریسی میں﴾ تیسرا گروہ اُمت وسط کا ہے، اور یہ دین محمدی اور خلفاء کا ہے جو خواص و عوام اور ساری اُمت کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ مال خرچ کیا جائے اور رعایا کے فائدہ کے لئے خرچ کیا جائے۔ مال دیا جائے اگرچہ وہ جن کو مال دیا جاتا ہے رؤساء اور مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی ضرورت اور احتیاجات پوری کی جائیں۔ اور حالات کی اصلاح اور اقامتِ دین و دنیا عفت نفس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی ضروریات و احتیاجات پوری کرنی چاہیئے۔ بلا استحقاق مال نہ لیا جائے۔ اور تقویٰ اور احسان دونوں کو جمع کر لیا جائے کیونکہ سیاست شرعیہ ﴿شرعی حکومت﴾ ان دو کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی، دین و دنیا کی اصلاح ان کے بغیر ناممکن ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝ (نحل: ع: ۱۶)

کیونکہ جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں اور جو حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اللہ ان کا ساتھی ہے۔

اور یہ وہی ہے کہ لوگوں کی روٹی کپڑے کا انتظام کیا جائے۔ ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔ اور خود حلال و طیب کھائیں۔ اور یہ کہ اوپر کے لوگ (یعنی حاکم و با اختیار لوگ) خرچ کم کر دیں کیونکہ قدرتی بات ہے کہ اوپر کے بسنے والے سے لوگ لینے کی تمنا زیادہ رکھتے ہیں، عقیف سے اتنی تمنا نہیں رکھتے! اور جس قدر عقیف سے لوگ اپنی اصلاح کر لیتے ہیں غیر عقیف سے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قدرت و امکان کے ساتھ عفت سے کام لینا، یہی تقویٰ اور دین کی حرمت ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم

میں سیدنا ابوسفیان بن حرب سے روایت ہے کہ

۱۔ مثلاً سلاطین اور بادشاہ وزراء اور ان کے نائب، گورنر اور ان کے نائب۔ اگر آج کل کی نمائشی جمہوری حکومت کے صدر جمہوریہ۔ غرض طبقہ بالا کا پورے ملک پر، پوری سلطنت پر اثر پڑا کرتا ہے، اگر اوپر کا طبقہ صالح ہے تو سارا ملک ساری سلطنت صالح ہو جائے گی۔ اور برائے تو ساری سلطنت پر اس کا اثر پڑے گا۔ رعایا پروری کا اقتضاء یہ ہے کہ رعیت کی فلاح و بہبود کو سب سے زیادہ پیش نظر رکھا جائے شیخ سعدی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے۔

گو سپند از برائے چوپان نیست

بلکہ چوپان برائے خدمت اوست

اگر بالائی طبقہ کے لوگ لیں گے، کھائیں گے تو ماتحتوں سے کفایت شعاری کی امیدیں بیکار ہیں۔ سب لیں گے، کھائیں گے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

بہ پنج بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد

زند لشکر یانش ہزار مرغ بسیج!

غرض یہ کہ رعایا پروری کا اقتضاء یہ ہے کہ رعیت کا پورا پورا خیال رکھا جائے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

بر رعیت ضعیف رحمت کن تا از دشمن قوی زحمت نہ بینی ضعیف و کمزور رعیت پر رحم کرو تا کہ قوی دشمن سے زحمت نہ اٹھاؤ اور پیچ تو یہ ہے کہ زمین اللہ کا ملک ہے، اس پر اللہ ہی کا دستور اور حکومت چلنی چاہیئے۔ اسی سے دنیا و آخرت درست ہو سکتی ہے اور سب کی ذمہ داری دو گروہوں پر ہے، اور وہ امراء اور علماء ہیں۔ اگر یہ دونوں گروہ درست ہیں تو ساری مخلوق اور معاشرت درست ہو جائے گی، اگر یہ ناہموار ہیں تو ہر چیز (مثلاً معاشرت، معیشت، دولت و حکومت) ناہموار ہوگی۔

ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان کو جواب دیتے ہوئے کہا یہ پیغمبر کیا بتلاتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا وہ ہمیں نماز پڑھنے کو کہتے ہیں، سچائی و پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں۔

••••• 81 ••••• حکمران پیوردریسی اور عوام

اور ایک اثر میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی اتاری کہ اے ابراہیم تمہیں خبر ہے کہ میں نے تم کو اپنا خلیل کیوں بنایا ہے؟ اس لئے بنایا ہے کہ تم کو دینا زیادہ محبوب ہے اور لینا کم محبوب ہے۔

اور ہم عطا اور بخشش دینے کا ذکر کر چکے ہیں کہ سخاوت اور قومی فوائد کو پیش نظر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے، اور صبر و غضب میں دفع مضرت کا خیال رکھنا شجاعت و بہادری ہے اسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور غضب و غصہ کے بارے میں لوگ تین قسم کے ہیں، ایک وہ جو اپنے لئے اور پروردگار عالم کے لئے غضب و غصہ کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو نہ اپنے لئے غضب و غصہ کرتے ہیں نہ پروردگار عالم کے لئے۔ تیسرے وہ جس کو امت وسط کہتے ہیں ان کا غضب و غصہ صرف پروردگار عالم کے لئے ہی ہوتا ہے، اور اس لئے وہ غضب و غصہ سے آشنا ہی نہیں ہوئے، جیسا کہ صحیحین میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ خَادِمًا لَهُ وَلَا امْرَأَةً. وَلَا ذَابَةً وَلَا شَيْئًا قَطُّ. إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٍ فَانْتَقَمَ لِنَفْسِهِ قَطُّ إِلَّا أَنْ تَنْتَهَكَ حُرْمَاتِ اللَّهِ فَإِذَا انْتَهَكَ حُرْمَاتِ اللَّهِ لَمْ يَقُمْ لِنَفْسِهِ شَيْءٌ حَتَّى يَنْتَقِمَ لِلَّهِ.

نبی کریم ﷺ نے نہ کبھی اپنے خادم کو مارا، نہ عورت کو، نہ جانور کو، اور نہ کسی کو، مگر جہاد فی سبیل اللہ کے وقت، اور آپ کو نہیں دیکھا گیا کہ اپنے لئے آپ نے انتقام لیا ہو، مگر ہاں جبکہ حرمت الہی توڑی جائیں۔ جب تو آپ ﷺ کا غصہ کوئی تھام نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ اللہ کا انتقام لے لیتے۔

جس کا غضب و غصہ اپنے لئے اپنی جان کے لئے ہے، پروردگار عالم کے نہیں یا جو اپنے لئے وصول کرتا ہے، پروردگار عالم کے لئے نہیں اور دوسروں کو نہیں دیتا تو یہ چوتھی قسم کے لوگ مخلوق میں شریر

ترین لوگ ہیں۔ نہ ان سے دین کی اصلاح ممکن ہے نہ دنیا کی۔

صالح اور نیک بندوں کی سیاست کامل تھی، ان کا طریقہ یہ تھا کہ واجبات پر پورا پورا عمل کرتے تھے، محرمات سے قطعاً بچتے تھے، یہ ایسے مقدس لوگ تھے کہ ان کے عطیہ سے دین کی اصلاح ہوتی تھی۔ اور وہی چیز وہ لیتے تھے جو ان کے لئے مباح تھی۔ ان کا غضب و غصہ رب العالمین کے لئے ہوتا تھا اور اس وقت ہوتا تھا جبکہ محارم الہیہ توڑے جاتے تھے اور اپنا حصہ اپنا حق معاف کر دیتے تھے۔

یہ اخلاق نبوی تھے، مال خرچ کرنے میں مال کے لینے میں اور جو کچھ آپ کرتے تھے کامل اور مکمل تھا۔ اور جو شخص ان اخلاق کے قریب ہوگا وہ افضل و برتر ہوگا، پس مسلمانوں کا فرض اولین ہے کہ پوری پوری کوشش کریں اور طریق نبوی ﷺ کے قریب تر ہو جائیں اور کوشش کے بعد اپنے تصور تفصیر اور خطا کے لئے بارگاہ الہی میں توبہ و استغفار کریں۔ اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین دے کر نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے کامل و مکمل ہے۔ اور یہ امور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں موجود ہیں:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۚ (نسا: ع: 8)

مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت رکھنے والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔

۱۔ یہ ہے وہ اسلامی حکومت جسے اللہ کی حکومت کہا جاتا ہے۔ اور ”سروری دردین ما خدمت گریست“ اسی کا نام ہے۔ آج کرۂ زمین پر بڑی بڑی حکومتیں قائم ہیں، لیکن کھوج لگاؤ کہ اَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا کا وجود بھی ملتا ہے؟ اسلامی سلطنتوں پر نگاہ ڈالو کہ کہیں بھی لا لنفسه ولكن لربه حکومت ہوئی ہے؟ ساری دنیا ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ساری دنیا پر آج وہی رنگ چڑھا ہوا ہے جو اسلام سے قبل روم و عجم پر چڑھا ہوا تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

رومیوں اور عجمیوں کو جب خلافت ملی اور طویل مدت تک وہ اس منصب پر سرفراز رہے، تو لذت دنیا میں گم ہو کر رہ گئے، اور شیطان ان پر ایسا مسلط ہو گیا کہ زیادہ سے زیادہ اسباب عیش فراہم کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنی خوش حالی و نمائش کرنا، ان کی زندگی کا مقصد قرار پا گیا۔ عقل و حکمت کا استعمال بھی ان کے یہاں بس یہی تھا کہ معاشی انتفاع کے دقیق سے دقیق وسائل تلاش کئے جائیں، اور پھر ان سے لطف اندوزی کے عجیب عجیب طریقے نکالے جائیں، ان کے رؤسا اپنی شان و ریاست کے اظہار میں جس طرح دولت صرف کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جس شخص کا شمار رئیسوں میں ہوتا اس کے لئے دولاکھ درہم سے کم قیمت کا تاج پہننا عار کی بات تھی، اس کے لئے ضروری تھا کہ ایک عالی شان محل میں رہے، جس کے ساتھ آبن (پانی کے فوارے)، حمام اور باغ بھی ہوں۔ غلاموں کی ایک فوج اس کی خدمت میں اور قیمتی گھوڑوں کی ایک کثیر تعداد اس کے اصطبل میں ہو۔ اس کا دسترخوان نہایت وسیع ہو اور بہتر سے بہتر کھانے اس کے باورچی خانے (کچن) میں ہر وقت تیار رہیں۔ غرض یہ کہ یہی چیزیں ان کے اصول معاش میں گھس گئیں اور ایسی جم گئیں کہ لوں سے ان کا نکلنا محال ہو گیا۔ یہ ایک بیماری تھی جو ان کے تمدن کی رگ رگ میں اتر گئی۔ اس کے اثرات بازاروں اور گھروں تک میں پھیل گئے مزدور اور کسان تک ان سے نہ بچ سکے۔ اس نے چند محلوں میں عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے کے لئے ملکوں اور اقلیموں کی بے شمار مخلوق کو مصائب میں مبتلا کر دیا۔ اس لئے کہ یہ سامان جمع نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ ان کے لئے پانی کی طرح روپیہ نہ بہایا جائے۔ اور اتنی کثیر دولت فراہم کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ تاجروں اور کاشتکاروں اور دوسرے محنت پیشہ طبقوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جائیں۔ پھر اگر ٹیکسوں کی زیادتی سے تنگ آ کر یہ غریب طبقے روپیہ دینے سے انکار کریں تو ان کو فوجوں سے پامال کرایا جائے، اور اگر طاقت سے ڈر کر وہ اطاعت میں سر جھکا دیں تو ان کو گدھوں اور بیلوں کی طرح محنت میں جوت دیا جائے کہ وہ دن رات رئیسوں کے لئے دولت پیدا کریں اور ان کو دم لینے کی بھی فرصت نہ ملے، کہ خود اپنی سعادت دنیا اور آخرت کے لئے بھی کچھ کر سکیں۔ اس کا نتیجہ تھا کہ

••••• 84 ••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

لاکھوں کروڑوں کی آبادی میں مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جس کی نگاہ میں دین و اخلاق کی کوئی اہمیت ہو، وہ بڑے بڑے کام جن پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے، اور جن پر انسانی فلاح و ترقی کا مدار ہے قریب قریب معطل ہو گئے تھے، لوگ زیادہ تر یا تو ان صنعتوں میں لگ جاتے تھے جو رساء کے لئے لازم عیش پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں یا پھر ان فنون اور ان پیشوں کو اختیار کرتے تھے جن سے رئیسوں کو عموماً دلچسپی ہوا کرتی ہے، اس لئے کہ ان کے بغیر کوئی شخص رساء کے ہاں درخور حاصل نہیں کر سکتا تھا، اور رساء کے ہاں درخور حاصل کرنے کے لئے سوا خوشحالی کے دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ایک اچھی جماعت شاعروں، مسخروں، نقالوں، گلوکاروں، رنڈیوں، مصاحبوں، شکاریوں اور اسی طرح کے لوگوں کی پیدا ہو گئی تھی جو درباروں سے وابستہ رہتی تھی، اور ان کے ساتھ اگر اہل دین تھے بھی تو وہ حقیقت میں دیندار نہ تھے، بلکہ کسب معاش کے لئے دین کا پیشہ کرتے تھے، تاکہ اپنے زہد کی نمائش سے یا شعبدوں سے یا اپنے مکرو فریب سے کچھ کم کھائیں۔ اس طرح یہ مرض ان ممالک میں انسانی جماعت کو اوپر سے نیچے تک گھن کی طرح کھا گیا تھا۔ اس نے پوری پوری قوموں کے اخلاق گرا دئے تھے۔ اور ان کے اندر ذلیل خصلتیں پیوست کر دی تھیں۔ اس کی بدولت ان کی سر زمین میں اتنی صلاحیت ہی نہ رہی تھی کہ عبادت الہی اور مکارم اخلاق کا بیج اس کے اندر جڑ پکڑ سکے۔ جب روم و عجم کے ممالک پر یہ مصیبت حد سے بڑھ گئی اور حد سے متجاوز ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا۔ اور اس نے اس مرض کا علاج کرنے کا فیصلہ کر دیا کہ مرض کی جڑ کاٹ ڈالی جائے۔ چنانچہ ایک نبی اُمی (ﷺ) کو مبعوث فرمایا جو رومیوں اور عجمیوں سے گھلامانہ تھا۔ اور جس تک ان کی عادات اطوار، خصائل کا کوئی اثر نہ پہنچا تھا۔ اس کو صحیح اور غلط، صالح اور فاسد، میں امتیاز کرنے والی میزان بنا دیا۔ اس کی زبان سے عجمی اور رومی عادات قبیلہ کی مذمت کرائی۔ حیات دنیا میں استغراق اور لذات دینی میں انسہاک کو مردود بٹھرایا، عجمی عیش پرستی کے ارکان میں سے ایک ایک کو چن چن کر حرام کیا مثلاً سونے اور چاندی کے برتن، سونے جواہرات کے زیور، ریشمی کپڑے، تصاویر اور محسمے وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی اُمی (ﷺ) کی سرداری سے روم و عجم کی سرداری کا استیصال کر دیا اور اعلان کر دیا کہ: هَلْكَ كِسْرَىٰ فَلَا كِسْرَىٰ بَعْدَهُ. وَ هَلْكَ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ. (انتہی ملخصاً از باب اقامتہ الارتفاقات و اصلاح الرسوم)

غرض! بعثت نبوی (ﷺ) کے وقت جو حال ایران و روم کا تھا کہ معمورہ دنیا پر چھائے ہوئے تھے، ساری دنیا انہی دو سلطنتوں کی غلامی کے جوئے میں جتی ہوئی تھی، آج دنیا امریکہ اور یورپی یونین کی غلامی کے جوئے میں جتی

••••• 85 ••••• حکمران پیوروکریسی اور عوام

ہوئی ہے۔ کہنے کو آزاد ہیں، لیکن حقیقت میں غلام ہیں۔ انہی کی غیر صالح سیاست کو سیاست سمجھتی ہے، انہی کے مفرطانہ عیش پرستی، عیش کو زندگی کا ڈھانچہ سمجھتی ہے، انہی کے اخلاق و کردار کی غلامی میں زندگی گزارتی ہے، اور آج انہی کی سائنس نے دنیا کو عذاب الیم میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اگر دنیا آج اپنے لئے امن چاہتی ہے، روٹی چاہتی ہے، امن و سکون کی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ دنیا اور آخرت بنانا چاہتی ہے، دنیا میں امن و چین سے رہ کر اللہ کو یاد کرنا چاہتی ہے، دنیا اور آخرت دونوں بنانا چاہتی ہے، تو اسلام کے دستور کو اپنائے، کہ یہ آسانی دستور ہے، قرآنی دستور العمل ہے، ملک اللہ کا ہے تو حکومت بھی اللہ کی ہونی چاہئے ”إِن الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ“ قواعد و ضوابط بھی اللہ ہی کے نافذ ہونے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین نے انہی قواعد و ضوابط کی طاقت سے ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ دنیا کا رنگ تبدیل کر دیا۔ روم و ایران کا تختہ الٹ دیا اور دنیا پر اللہ کی حکومت قائم کر دی۔ نصف صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ قرآنی حکومت دنیا پر قائم کر دی۔ اور دنیا کے لئے رحمت و رافت، امن و چین، رحمت و سکون کی حکومت کھڑی کر دی۔ اور ”أَنْ تَوْذُوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا“ کی ہمہ گیر طاقت ساری دنیا پر چھا گئی۔ کاش مسلمان جاگیں اور رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی پیروی کریں تو پھر یہ دنیا والوں کے لئے جنت بن جائے۔ لَعَلَّ اللَّهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا (ابوالعلاء محمد اسماعیل گودھروی کان اللہ لہ)

باب 10 (Chapter) کے مضامین

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ**۔ حدود و حقوق کسی ایک قوم کے لئے خاص خاص نہیں ہیں۔ حدود میں سفارش حرام و ناجائز ہے۔ رشوت دینے والا رشوت لینے والا اور رشوت دینے والے والد لال سب گناہ گار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (نساء: ع: 8)

اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

لوگوں کو حکم فیصلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حدود و حقوق میں حکم یعنی فیصلہ کیا جائے۔ یہ حدود و حقوق دو قسم کے ہیں۔ حدود و حقوق کی ایک قسم وہ ہے جو کسی ایک خاص قوم کے لئے متعین اور خاص نہیں ہے بلکہ اس کی منفعت مطلقاً مسلمانوں کے لئے ہے، مثلاً قضاۃ الطریق راستے کاٹنے والے ڈاکو، راہزن، چور، زانی وغیرہ پر حد جاری کرنا۔ مثلاً اموال سلطانی، اموال اوقاف اور وصایا، کہ یہ کسی ایک قوم کے لئے متعین اور مخصوص نہیں ہیں۔ اور یہ چیزیں حکومت، ولی الامر اور حاکم وقت کے لئے خاص توجہ کے محتاج ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے اسی لئے فرمایا ہے:

لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ إِمَارَةٍ بِرَّةٍ كَانَتْ أَوْ فَاجِرَةً.

لوگوں کے لئے امارت قائم کرنا ضروری ہے نیک ہو یا بری۔

لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین نیک تو ٹھیک ہے۔ برا امیر کیوں مقرر کیا جائے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ

نے جواب دیا:

يُقَامُ بِهَا الْحُدُودُ. وَتَأْمَنُ بِهَا السُّبُلُ وَيُجَاهَدُ بِهَا الْعَدُوُّ وَيُقَسَّمُ بِهَا

الْفَيْئِي.

اس امارت سے حدود اللہ کا اجراء ہوتا ہے، راستوں میں امن ملتا ہے، دشمنوں سے اس کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ مال فتنے تقسیم ہوا کرتا ہے۔

یہ وہ قسم ہے کہ والیان ملک ﴿حاکم وقت﴾، امراء ولایت ﴿قاضی و نج﴾ پر اس سے بحث کرنا، اس پر غور کرنا فرض ہے اور بلا کسی دعویٰ کے دعویٰ اور مطالبہ کے ﴿یعنی حاکم اور کورٹ کو از خود نوٹس لیتے ہوئے﴾ یہ حدود قائم کرنی چاہئیں۔ اور یہی حکم شہادت (گواہی) کا ہے، بغیر کسی کے دعوے کے لینی چاہیے۔ اگرچہ فقہاء نے چور کے ہاتھ کاٹنے میں اختلاف کیا ہے کہ جو مال چوری ہو گیا، کیا اس کے مطالبہ کی ضرورت ہے کہ جس کا چوری ہوا ہے وہ اپنا مال طلب کرے تو چور پر حد جاری ہوگی وگرنہ نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ مطالبہ کے بغیر حد جاری نہیں کی جائے گی، لیکن سب فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جس کی چوری ہوئی ہے، ﴿چور پر﴾ حد جاری کرنے کے لئے اس کے مطالبے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض علماء مال کے مطالبہ کی شرط لگاتے ہیں تاکہ چور کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔

یہ جرائم کی وہ قسم ہے کہ جس میں حدود جاری کرنا واجب ﴿یعنی فرض﴾ ہے، شریف ہو یا کمین، اونچے خاندان اور بڑی برادری والا ہو یا نہیں۔ طاقتور ہو، یا ضعیف، سب پر حد جاری کرنا فرض ہے۔ جو ﴿حاکم، جج یا قاضی﴾ کسی کی شفاعت و سفارش سے، یا ہدیہ اور تحفہ لے کر، یا کسی دوسری وجہ سے حد کو معطل اور ساقط کرے گا تو اُس پر اللہ اور اس کے رسول، اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہوگی۔ اس میں کسی کی سفارش مقبول نہیں ہوگی۔ اور سفارش کرنے والا اس قبیل سے ہوگا۔ مَنِ اشْتَرَىٰ بَايَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا. (اللہ کی آیتوں کو تھوڑے داموں بیچتا ہے)

اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ کہتے

ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدِّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ فِي أَمْرِهِ وَمَنْ
خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُ. لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللَّهِ حَتَّى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِي
مُسْلِمٍ مَا لَيْسَ فِيهِ خُبْسَ فِي رَدْعَةِ الْحِبَالِ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. قِيلَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا رَدْعَةُ الْحِبَالِ؟ قَالَ غُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ. (رواہ ابو داؤد)

جس کی شفاعت و سفارش حدود اللہ میں سے کسی حد کے آڑے آئی تو وہ اللہ کا مقابلہ کرتا
ہے اور جو شخص باطل پر جھگڑتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ باطل ہے تو وہ اللہ کی خفگی میں رہے گا۔
یہاں تک کہ وہ اس جھگڑے کو چھوڑ دے، اور جس نے کسی مسلمان کے خلاف ایسی بات کہی
جو اس میں نہیں ہے، تو ایسے لوگ ردعۃ الخبال میں قید ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
یا رسول اللہ ﷺ: ردعۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل دوزخ کا نچوڑا ہوا
خون اور پیپ۔

نبی کریم ﷺ نے حکام، گواہوں اور جھگڑنے والوں کا ذکر اسی لئے فرمایا ہے کہ یہی لوگ حکم
یعنی فیصلے کے اصل ارکان ہیں اور فیصلہ انہی کی منصفی پر ہوتا ہے۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، سفارش و
شفاعت کے بارے میں مہتمم بالشان واقعہ اس عورت کا ہے جو بنی مخزوم میں سے تھی۔ جس نے چوری کی
تھی۔ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، گفتگو کرنا چاہی تو لوگوں نے کہا نبی کریم ﷺ
سے گفتگو کون کرے گا؟ گفتگو کی جرأت و ہمت سوائے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے کوئی نہیں کر سکتا، چنانچہ
سیدنا اُسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی کریم ﷺ کے حضور میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اتَّشَفَعَ فِي حَدِّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ؟ إِنَّمَا هَلَكَ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِأَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا
سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ
وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.

کیا حدودِ الہی میں شفاعت و سفارش کر رہے ہو؟ بنی اسرائیل اسی لئے ہلاک ہوئے ہیں کہ جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے، جب کوئی ضعیف کمزور آدمی چوری کرتا تو اُس پر حد جاری کرتے، قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

یہ واقعہ بڑا عبرت انگیز، نصیحت خیز ہے کیونکہ قریش میں اشرف ﴿افضل﴾ ترین خاندان دو بطن دو خاندان ہی تھے۔ بنو مخزوم اور بنو عبد مناف، جب اس پر ہاتھ کاٹنا واجب ٹھہرا، اور ایسی چیز کے عوض کہ بعض علماء کے نزدیک عاریت ﴿یعنی ادھار﴾ لی گئی تھی اور بعض کے نزدیک خاص چوری کی گئی تھی۔ تو بدگیر چہ رسد۔ یہ قبیلہ سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ سب سے زیادہ شریف ﴿یعنی افضل﴾۔ اور خاص رسول اللہ ﷺ کے خادم اور دوست سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تھی۔ ان پر رسول اللہ ﷺ خفا ہوئے۔ اس شفاعت و سفارش سے سخت برہم ہوئے اور کہا، تم ایک حرام و ناجائز بات لے کر آئے ہو۔ یہ حدودِ الہی کے بارے میں سفارش ہے۔ اور پھر آپ نے مثال میں اپنی بیٹی سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال پیش کی کہ اگر یہ بھی چوری کرتیں تو میں اس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔

روایت کی گئی ہے کہ جس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا تھا، اس نے توبہ کی تھی۔ اور ہاتھ کٹنے کے بعد یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ اس کی کوئی حاجت ہوتی تو پوری فرما دیا کرتے تھے۔

اور روایت کی گئی ہے:

إِنَّ السَّارِقَ إِذَا تَابَ سَبَقَتْهُ يَدُهُ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنْ لَمْ يَتُبْ سَبَقَتْهُ يَدُهُ إِلَى النَّارِ.

چور جب توبہ کر لے گا تو وہی ہاتھ جو کاٹا گیا ہے جنت میں داخل ہونے میں سبقت کرے گا۔ اور اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کا یہی ہاتھ دوزخ کی طرف سبقت کرے گا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا میں روایت کی ہے۔ ایک جماعت نے ایک چور کو پکڑ لیا

••••• 90 ••••• حکمران پیوردریسی اور عوام

تاکہ اُسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں، راستے میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ملے، ان لوگوں نے درخواست کی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ اس کی شفاعت و سفارش کر دیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”جب حدود کا معاملہ حج یا حاکم و سلطان تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے پر اور جس کے لئے سفارش کی جائے اس پر لعنت بھیجتا ہے۔“

سیدنا صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں سوئے ہوئے تھے۔ ایک چور آیا اور اُن کی چادر لے کر چلتا بنا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے اُسے پکڑ لیا اور خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اُسے پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمہ سن کر چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میری چادر میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ میں اسے بخش دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَهَلَّا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ عَفْوَتَ عَنْهُ. ثُمَّ قَطَعَ يَدَهُ. (رواہ اہل السنن)

کیوں میرے پاس لانے سے پہلے اُسے معاف نہیں کر دیا؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا ہاتھ کٹوا دیا۔

جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اگر میرے پاس لانے سے پہلے تم معاف کر دیتے تو ایسا ہو سکتا تھا۔ جب میرے پاس لے آئے تو اب تعطیل حد کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ نہ معاف کرنے سے ممکن ہے، نہ سفارش سے نہ بخشش سے۔ میرے علم کے مطابق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ راہزن، ڈاکو، لٹیرے اور چور وغیرہ جب ولی الامر یعنی حاکم وقت، حج یا قاضی وغیرہ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں اور پھر ڈاکو، چور تو بہ کرے تو حد ساقط نہیں ہوگی بلکہ حد قائم رکھنا اور جاری کرنا فرض و لازم ہے۔ اگر ان لوگوں نے توبہ کی اور یہ اپنی توبہ میں سچے تھے تو یہ حدان کے لئے کفارہ بن جائے گی۔ اور توبہ میں استقامت ان کی توبہ کو استوار اور مضبوط کر دے گی، اور یہ چیز حقدار کے حقوق کا پورا پورا قصاص و بدلہ۔ اور بدلہ کی قدرت پانے کے برابر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس کی اصل موجود ہے:

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ط وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا ۝ (نساء ع ۱۱)

اور جو شخص نیک بات کی سفارش کرے اس نیک کام کے اجر میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے، اس کے وبال میں وہ بھی شریک ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ضابطہ ہے۔

کیونکہ شفاعت کے معنی ہی طلب اعانت کے ہیں۔ ﴿شفیع﴾ سفارش کرنے والا ﴿اور شفیع﴾ جس کے لئے سفارش کی جائے ﴿و کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں وتر آتا ہے۔ تو شفیع اس وتر کے ساتھ ہو گیا تو گویا ایک تھا، دو ہو گئے، پس اگر نیکی اور تقویٰ کی اعانت کرو گے تو یہ شفاعت حسنہ ہوگی۔ اگر اثم گناہ اور عدوان کی شفاعت و سفارش کرو گے تو یہ شفاعت سیئہ ﴿بری شفاعت﴾ ہوگی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نیکی اور تقویٰ میں شفاعت اور سفارش کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور اثم و گناہ کی شفاعت و سفارش سے تمہیں روکا گیا ہے۔

پس اگر وہ اپنے عمل میں کاذب اور جھوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے فریب دل کو پھلنے پھولنے نہیں دے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۝ (سورہ یوسف ع ۷)

بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں کو چلنے نہیں دیتا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ حِزْبٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْأُخْرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ أَتُحِبُّونَ اللَّهَ أَنْ تُقَدِّمُوا عَلَيْهِمْ ط فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (مائده ع 5)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیئے جائیں یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دئے جائیں، یا ان کو دیس نکالا ﴿یعنی جلاوطن کر﴾ دیا جائے، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے، مگر جو لوگ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو بہ کر لیں تو جانے دو کہ اللہ معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے جو قدرت پانے سے پہلے تائب ہو گئے ہیں۔ ولی الامر ﴿جج یا﴾ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے جو توبہ کر چکا ہو فقط وہی مستثنیٰ ہے۔ جو قدرت پانے کے بعد اور حاکم کے سامنے پیش ہونے کے بعد توبہ کرے تو اس پر حد کا اجراء فرض اور ضروری ہے۔ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ آیت کا عموم اور اس کا مفہوم اور علت جو اللہ نے بیان کی ہے، اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ بینہ ﴿دلیل﴾ اور گواہ سے جرم ثابت ہو اور یا جب خود مجرم اپنے جرم کا اقرار کر لے۔ اور اگر وہ خود آ کر جرم و گناہ کا اقرار کر لے اور اس سے پہلے توبہ بھی کر لی ہے، تو اس میں اختلاف ہے جو دوسرے مقام پر مذکور ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں حد جاری نہیں ہوگی۔ ہاں خود بخود حد کا طالب ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اور اگر وہ چلا گیا، اور حد جاری کرانا نہیں چاہتا تو حد اس پر جاری نہیں کی جائے گی۔ اور سیدنا معز بن مالک کی حدیث اسی پر محمول ہے، جس وقت صحابہ نے رجم کے وقت کی ان کی کیفیت بیان کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

هَلَّا تَرَ كُتْمُوهُ.

ان کو تم نے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟

اس کے علاوہ دیگر احادیث و آثار بھی پائے جاتے ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ قدرت پانے

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 93 •••••

سے پہلے، حج، حاکم یا قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے توبہ کر چکا ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

اور سنن ابی داؤد، اور سنن نسائی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَعَاَفُوا الْحُدُودَ فِيمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغْنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ. (ابوداؤد، نسائی)

تم آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو، کیونکہ جب میرے سامنے معاملہ پیش کر دیا جائے گا تو حد کا جاری کرنا واجب ہو جائے گا۔

اور سنن نسائی، اور ابن ماجہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حَدٌّ يُعْمَلُ بِهِ فِي الْأَرْضِ خَيْرٌ لِّأَهْلِ الْأَرْضِ مِنْ أَنْ يُمَطَّرُوا أَرْبَعِينَ صَبَاحًا.

زمین پر حد جاری کرنا، چالیس دن برسات برسنے سے زمین والوں کے لئے بہتر ہے۔

اور یہ اس لئے کہ گناہ و معاصی: کمی رزق اور دشمن سے خوف کا سبب ہیں۔ جیسا کہ

کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جب حدود کا اجراء و قیام ہوگا اور اطاعت

الہی غالب اور ظاہر ہو جائے گی تو گناہ، معاصی اور اللہ کی نافرمانی کم ہو جائے گی۔ اور جب معاصی اور

گناہ کم ہو جائیں گے تو رزق بھی خوب ملے گا اور اللہ کی نصرت و امداد بھی نصیب ہوگی۔

اور زانی، چور اور شرابی، راستے کاٹنے والے راہزن وغیرہ سے ﴿رشوت کا﴾ مال لے کر حد کو

معطل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے، نہ بیت المال میں لینا جائز ہے نہ کسی اور کے لئے لینا جائز ہے۔ اور

جو مال بھی تعطیل حد، اور حد ساقط کرنے کے لئے لیا جائے گا تحت ﴿رشوت﴾ اور حرام ﴿مال﴾ ہوگا۔

اگر ولی الامر ﴿حج، قاضی یا﴾ حاکم نے ایسا کیا تو اس نے دو خرابیاں جمع کر لیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے حد

ساقط کر دی اور حرام مال لیا۔ دوسری یہ کہ اُس نے فرض ترک کیا۔ اور حرام چیز کا مرتکب ہوا، اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

لَوْ لَا يَنْهَاهُمْ الرَّبَانِيُّونَ وَالْأَخْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَالْكَفْلِهِمُ السُّخْتَ لَبِئْسَ

مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ (مائده ع ۹)

ان کو ان کے مربی یعنی مشائخ اور علماء جھوٹ بولنے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے، البتہ بہت ہی بُری ہے وہ درگزر جو ان کے مشائخ اور علماء کرتے رہے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ یہود کی کیفیت بیان فرماتا ہے:

سَمَاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْأَلُونَ لِلْسُّخْتِ ط (مائده ع ۶)

یہ لوگ جھوٹی باتیں بنانے کے لئے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔

کیونکہ یہودی سخت ﴿یعنی رشوت﴾ حرام اور خبیث مال لیا کرتے تھے، رشوت کھاتے تھے، جس کا نام انہوں نے ”برطل“ رکھا تھا۔ اور جسے ہدیہ ﴿یعنی تحفہ﴾ وغیرہ کہا کرتے تھے۔

جب حج، قاضی یا حاکم ﴿رشوت کا﴾ حرام مال لے گا تو ضرور وہ جھوٹی گواہی وغیرہ بھی لے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ وَالرَّائِثَ الْوَاسِطَةَ الَّذِي يُمْشِي بَيْنَهُمَا. (رواہ اہل السنن)

رشوت لینے والا رشوت دینے والا اور جو دونوں کے درمیان ذریعہ (Middle man) ہے سب برابر کے گنہگار ہیں۔

اور صحیح بخاری، اور صحیح مسلم میں ہے دو آدمیوں نے اپنا جھگڑا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ سے فرما دیجئے۔ دوسرا آدمی ذرا ہوشیار تھا، اُس نے بھی کہا ہاں یا رسول اللہ کتاب اللہ سے ہمارا فیصلہ فرما دیجئے۔ اور مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا کہو۔ وہ بولا میرا لڑکا اس کے گھر پر اُجرت پر کام کیا کرتا تھا، اُس سے اس کی عورت کے ساتھ زنا ہو گیا ہے۔ اُس کی جانب سے میں نے سوکریاں فدیہ میں دے

••••• 95 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

دی ہیں اور ایک غلام بھی آزاد کر دیا ہے۔ میں نے علماء سے مسئلہ پوچھ کر ایسا کیا ہے، آپ ﷺ نے جواب دیا: تمہارے لڑکے کے لئے سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے اور اس کی عورت کے لئے رجم کی حد جاری ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا قُضِيْنَ بَيْنَكُمَا بَكْتَابِ اللَّهِ. أَلْمِائَةُ. وَالْخَادِمُ رَدْ عَلَيْنِكَ وَ عَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَ تَغْرِيبُ عَامٍ. وَ اَعْدِ يَا اُنَيْسُ عَلَى امْرَاةٍ هَذَا فَاَسْئَلُهَا. فَاِنْ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمُهَا فَسْئَلُهَا فَاعْتَرَفَتْ فَارْجُمَهَا.

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں کتاب اللہ سے تمہارا فیصلہ کروں گا: سو بکریاں اور خادم تم واپس لے لو۔ تمہارے لڑکے کو سو کوڑے لگیں گے۔ اور ایک سال جلا وطن رہے گا۔ اے انیس تم صبح ہوتے ہی اس عورت کے پاس جاؤ اور پوچھو۔ اگر وہ گناہ کا اعتراف کرے تو تم اُسے رجم کر دو۔ جب پوچھا گیا تو اُس نے زنا کا اعتراف کر لیا تو اُسے رجم کر دیا گیا۔

غور کیجئے کہ مسلمانوں کو، مجاہدین اسلام کو، فقراء و مساکین کو مال مل رہا تھا لیکن آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، اور حد ساقط نہیں فرمائی۔

چنانچہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تعطیل حد، یعنی حد ساقط کرنے کے لئے مال وغیرہ لینا جائز نہیں ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ زانی، چور، شراب خور، ڈاکو اور راستے کاٹنے والے قطاع الطريق، راہ زن وغیرہ سے حد ساقط کرنے کے لئے جو مال لیا جائے وہ حرام اور خبیث ہے۔ اور عام طور پر بیشتر لوگوں کے اُمور فاسد اور خراب ہی ہوا کرتے ہیں ﴿یعنی وہ﴾ مال و دولت اور جاہ جلال اور قوت و طاقت کے ذریعہ حد ساقط کر دیتے ہیں۔ اور دیہات، قصبے، شہر، دیہاتی اعراب، ترکمان، کرد، فلاحین اور اہل ہوا و نفس ﴿نفس و خواہشات کی پیروی کرنے والے﴾۔ مثلاً قیس و یمن اور شہر کے رؤساء، امراء، غریبوں اور فقیروں کے بڑے بڑے امداد دینے والے، ان کے سردار اور مقدم، عوام

••••• 96 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

اور لشکروں کی خرابی کا موجب ہوتے ہیں۔ اور یہی چیز ولی الامر حج/ قاضی اور حاکم وقت کی عزت و حرمت بھی ختم کر دیتی ہے۔ دونوں سے اس کی عزت و حرمت محو ہو جاتی ہے۔ اور حج، قاضی، ولی الامر اور حاکم کی حکومت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے جبکہ وہ رشوت لیتا ہے۔ اور رشوت لے کر حد ساقط کر دیتا ہے۔ جب ایک کی حد ساقط کر دی تو دوسروں پر حد جاری کرنا اس کے لئے دشوار ہو جاتا ہے۔ حد جاری کرنے میں اس کا دل، اس کا خمیر بالکل کمزور ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ ملعون یہودیوں کے قبیل سے ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک اثر کے اندر ہے:

إِذَا دَخَلَتِ الرِّشْوَةُ مِنَ الْبَابِ خَرَجَتْ أَمَانَةُ مَنْ كُوِّتِ.

جب رشوت ایک دروازے سے داخل ہوتی ہے تو دوسرے راستے سے امانت چلی جاتی ہے۔

یہی حال اس مال ﴿یعنی ٹیکس﴾ کا ہے جو دولت و سلطنت باقی رکھنے کے لئے لیتے ہیں۔ جس کا نام ان لوگوں نے تادیبات ﴿ٹیکس و جرمانہ﴾ رکھا ہے۔ یہ مال قطعاً حرام ہے۔ تم ان اعراب و بدو و گنوار مفسدوں کو دیکھو جب یہ اپنے لئے یا کچھ لوگوں کیلئے کچھ کر لیتے ہیں تو حج، قاضی، ولی الامر یا حاکم وقت کے یہاں کس شان سے پہنچتے ہیں۔ اور یہ گھوڑے (اور آجکل بڑی بڑی گاڑیاں) پیش کرتے ہیں۔ اس پیش کش کے بعد طمع، لالچ اور فساد کا جذبہ کس قدر بڑھ جاتا ہے، یہ لوگ ولایت و سلطنت اور حکومت کی حرمت و عزت کس طرح توڑ دیتے ہیں۔ اور رعایا کیسی خراب ہو جاتی ہے۔ یہی حال فلاجین کسانوں کا ہے۔ اسی طرح شراب نوش لوگوں کا ہے۔ جب کوئی شرابی پکڑا جاتا ہے اور کچھ مال پیسہ رشوت میں دے دیتا ہے تو وہ کیسی کیسی اور کس کس قسم کی امیدیں قائم کر لیتا ہے؟ ہر شرابی کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جب ہم پکڑے جائیں گے تو کچھ دے دلا کر چھوٹ جائیں گے۔ پس جو مال حج، قاضی، ولی الامر یا حاکم وقت لیتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور فساد بدستور قائم اور موجود رہتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی بڑا آدمی صاحب عزت و جاہ کسی کی حمایت کرتا ہے اور اس کو حد جاری کرنے سے بچا لیتا ہے۔

••••• 97 ••••• حکمران پیورہ کر لیں اور عوام

مثلاً بعض فلاحین ﴿ خوشحال ﴾ وکسان ﴿ زمیندار ﴾ کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے بعد حج، قاضی، نائب سلطان (آئی۔ جی۔ پولیس، بڑے بڑے سول و فوجی افسروں) یا امیر ﴿ حاکم وقت ﴾ کے پاس پہنچتے ہیں، اور اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلہ میں وہ مجرم کی حمایت و سفارش کرتے ہیں اور مجرم کو چھڑا کر لے جاتے ہیں، تو وہ وہی سفارش و حمایت ہے جس پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت بھیجی ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللَّهُ مَنْ أَحْدَثَ حَدَّثًا أَوْ أَوَى مُحَدَّثًا. فَكُلُّ مَنْ أَوَى مُحَدَّثًا مِنْ هَؤُلَاءِ
الْمُحَدَّثِينَ فَقَدْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ.

جس شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی یا جو شخص گناہ کا روپناہ دے تو جو مجرم کو پناہ دے گا تو اللہ اور رسول کی اس پر لعنت ہوگی۔

اور یہ تو رسول اللہ ﷺ فرما ہی چکے ہیں:

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ فِي حُكْمِهِ.

جس کی شفاعت و سفارش حدود جاری کرنے میں آڑے آئی تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ کا

مقابلہ کرتا ہے۔

پس بتائیے کہ جن کے ہاتھ میں حدود کے اجراء و قیام کے اختیارات ہیں وہ ان مجرموں گنہگاروں سے معاوضہ لے کر چھوڑ دیں، اور ان کا جرم معاف کر دیں تو کتنا بڑا فساد برپا ہوگا؟ اور بڑے سے بڑا فساد تو یہ ہے کہ وہ معتدین، ظالموں کی حمایت کر رہا ہے۔ کسی کے جاہ و مرتبہ اور اثر و رسوخ کی وجہ سے حمایت کی جائے یا مال اور رشوت لے کر ﴿ مجرم کو اسلامی سزا نہ دینے والا حج اور مجرم ﴾ دونوں برابر ہیں۔ اور پھر یہ کہ جو مال ان سے لیا جاتا ہے، وہ بیت المال کا مال ہوتا ہے، یا والی ﴿ قاضی، حج یا حاکم وقت ﴾ کا۔ اور والی حاکم ﴿ حاکم یا قاضی و حج ﴾ مخفی طور پر کبھی لیتا ہے اور کبھی اعلانیہ۔ اور ظاہر ہے کہ سب کا سب حرام مال ہے، اور اس کی حرمت پر سارے مسلمانوں کا اجماع ہے۔ مثلاً خمر و شراب کی

••••• 98 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

دکانوں کی ضمانت وغیرہ کہ جو شخص بھی اس کی قدرت رکھتا ہے، اور اس کو جگہ دیتا ہے، یا دلاتا ہے، یا اس کی کسی قسم کی امداد و اعانت کرتا ہے، یا مال اور رشوت لے کر اُسے اجازت دیتا ہے، یہ سب کے سب مجرم ہیں اور سب کے سب ایک ہی جنس کے لوگ ہوں گے اور یہ مہربانی ﴿یعنی﴾ زنا کی اُجرت و معاوضہ کے برابر ہیں۔ کاہن اور کتے کی قیمت، اور حرام معاملہ کرانے والے قواد اور دلال کے مشابہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ. وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ وَحَلْوَانُ الْكَاهِنِ خَبِيثٌ.

(رواہ البخاری)

کتے کی قیمت خبیث اور ناپاک ہے، زنا کا معاوضہ لینا خبیث و ناپاک ہے اور کاہن، نجومی، ہاتھ دیکھنے والے، فال نکالنے والے وغیرہ (ان سب) کی اُجرت خبیث و ناپاک ہے۔

زنا کی اُجرت و معاوضہ، قحبہ عورتوں ﴿طوائفوں﴾، نائٹ کلب میں ناچنے گانے والی عورتوں کی اُجرت و معاوضہ لینا قطعاً حرام ہے۔ اور یہی حکم ہے محنت لڑکوں کا، نیز بچوں کا خواہ آزاد ہوں یا غلام اور ان کے ساتھ فسق و فجور کرنے والوں کا اور کاہن، ہاتھ دیکھنے والے، اور نجومیوں کا۔ ان حرام کاموں کے عوض مال لینا قطعاً حرام ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جو ولی الامر، جج، قاضی یا حکمران منکرات و جرائم کو روکے گا نہیں، اور حدود کا اجراء نہیں کرے گا اور مال لے کر چھوڑ دے گا اس کا حال حرامیوں اور چوروں کے سردار کا سا ہوگا۔ اور یہ بمنزلہ فحش کام کرنے والوں کے دلال کے ہیں جو دو زانیوں کو باہم ملا دیا کرتا ہے۔ اور ان سے مال لیا کرتا ہے۔ اس کا حال وہی ہوگا جو لوٹ علیہ السلام کی بڑھیا عورت کا ہوگا، جو فاسق و فاجر لوگوں کو لوٹ علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دیتی تھی جس کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ (اعراف: ع: 10)

پس ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے نجات دی مگر ایک اُن کی بی بی کہ پیچھے رہ جانے والوں میں وہ بھی رہی۔

اور فرماتا ہے:

فَاسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتُكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ط (هود ع ۷)

تو تم اپنے اہل و عیال کو لے کر کچھ رات رہے سے نکل بھاگو۔ اور پھر تم میں سے کوئی مڑ کر بھی ادھر کو نہ دیکھے۔ مگر تمہاری بی بی کہ وہ بے دیکھے رہنے کی نہیں، اور جو عذاب ان لوگوں پر نازل ہونے والا ہے وہ اس پر بھی ضرور نازل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بدترین بڑھیا کو جو دلالی کرتی تھی اسی عذاب میں مبتلا کیا جو اس بدترین قوم خبیث و جرائم پیشہ لوگوں کو دیا۔ اور یہ اس لئے کہ یہ سب کا سب اثم و عدوان ﴿گناہ کبیرہ﴾ ہے، اور اس پر مال لینا اثم و عدوان ﴿گناہوں﴾ کی اعانت و امداد ہے۔ اور ولی الامر ﴿حاکم﴾ اسی لئے قائم کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دے یہی ولایت و حکومت کا اصل مقصود ہے۔ ولی الامر ﴿قاضی، جج یا﴾ حاکم مال لے کر، رشوت وصول کر کے کسی منکر کو پھلنے پھولنے دے گا ﴿جیسا کہ پاکستان کا ہر حکمران اپنے ”آقاؤں“ کے اشاروں پر کرتا چلا آ رہا ہے﴾ تو یہ عمل اصل مقصود کے خلاف اور اس کی ضد ہوگا۔ اور یہ اس کے مثل ہوگا کہ تم نے کسی کو دشمن کے خلاف لڑنے کو بھیجا اور وہ تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی اعانت و امداد کر رہا ہے۔ اور بمنزلہ اس مال کے ہوگا کہ تم نے کسی کو جہاد میں خرچ کرنے کو دیا اور وہ اُسے مسلمانوں کے قتل کرنے میں خرچ کر رہا ہے۔

اس کی مزید توضیح کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ بندوں کی اصلاح، فلاح و بہبود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بندوں کی معاش و معاشرت اور اس کی فلاح و بہبود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ اور یہ اُسی وقت پوری ہوتی ہے جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا

••••• حکران پیوردریسی اور عوام 100 •••••

جائے۔ اسی امر بالمعروف، نہی عن المنکر سے یہ اُمت خیر الامم اور بہترین اُمت کہی گئی ہے جو دنیا جہان کی اصلاح کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران: 12)

لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم مسلمان سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ . (آل عمران ۱۱)

اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائے، اچھے کام کرنے کو کہے اور برے کاموں سے منع کرے۔

اور اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی حالت بیان فرماتا ہے:

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (مائده ع ۱۱)

جو کام وہ کر بیٹھے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے البتہ بہت ہی برے فعل تھے جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔

اور فرماتا ہے:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ ۚ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ (اعراف ع ۲۱)

تو جب ان نافرمانوں نے وہ نصیحتیں جو ان کو کی گئی تھیں بھلا دیں تو جو لوگ برے کاموں سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے بچا لیا۔ اور جو شرارت کرتے رہے ان کی نافرمانیوں کی

پاداش میں ہم نے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جب اللہ کا عذاب اتر چکا تو اللہ نے ان لوگوں کو نجات دی جو گناہوں سے بچتے رہے، اور بد عمل ظالموں کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی ﷺ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اثناء خطبہ ﷺ یعنی خطبہ کے دوران ﷺ میں فرمایا: مسلمانو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور غیر جگہ استعمال کرتے ہو:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

(مائتہ ع ۱۴)

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو، جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے، تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حال یہ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے:

أَنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يَغْيَرُوا. أَوْ شَكَّ أَنْ يُعْمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ.

جب لوگ منکر، ناجائز کام کو دیکھیں اور اس کی اصلاح نہ کریں تو قریب ہے ان پر عذاب الہی عام ہو جائے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

إِنَّ الْمَعْصِيَةَ إِذَا أُخْفِيَتْ لَمْ تَضُرَّ إِلَّا صَاحِبَهَا وَلَكِنْ إِذَا ظَهَرَتْ فَلَمْ تُنْكَرْ ضَرَّتِ الْعَامَّةَ.

معصیت و گناہ مخفی طور پر کیا جائے تو معصیت و گناہ کرنے والے ہی کو نقصان پہنچتا ہے

لیکن جب کھلے طور پر کیا جائے اور اس کی اصلاح نہ کریں تو عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے۔

اور اسی قسم کو ہم نے حدود الہی، اور حقوق اللہ کے اندر پیش کیا ہے جس کا بڑے سے بڑا مقصود امر

بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

اور امر بالمعروف مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، صدقہ و امانت، والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی، صلہ رحمی، اہل و عیال اور پڑوسیوں سے حسن معاشرت وغیرہ۔ پس ولی الامر ﴿سردار، چودھری، افسر وغیرہ﴾، حاکم ﴿وقت﴾ کا فرض ہے کہ جن پر قدرت رکھتا ہے انہیں فرض نماز کا حکم کرے۔ اور تارک نماز کو عقاب و عذاب دے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اگر تارک نماز ایک متمرّد و سرکش گروہ ہے تو ان کے خلاف جہاد کرے، اس پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ اور روزے ترک کرنے والوں کے خلاف بھی جہاد کیا جائے۔ یہی حکم ہے ان محرمات کا جن پر اجماع ہے۔ ان محرمات کو حلال جاننے والوں کے خلاف بھی جہاد کیا جائے۔ مثلاً محارم سے نکاح کرنا، اللہ کی زمین پر فساد پھیلانا وغیرہ۔ ان کے خلاف جہاد فرض ہے۔ ہر مضبوط اور سخت گروہ اگر التزام شریعت اور شرائع اسلام جو ظاہر اور متواتر ہیں، ان کا انکار کرے تو ان کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے یہاں تک کہ تمام دین اللہ تعالیٰ کا دین ہو جائے۔ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اگر تارک نماز ایک شخص ہے تو اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُسے سزا دی جائے، مار ماری جائے، قید و جس میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ نماز کا پابند ہو جائے۔ اور جمہور علماء اس پر ہیں کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ اور اُسے قتل کرنا واجب ہے جبکہ وہ نماز ترک کرنے پر اڑ جائے۔ پہلے اُسے کہا جائے کہ توبہ کرو۔ اگر وہ توبہ کر لے اور نماز پڑھنے لگے تو بہتر و گرنہ قتل کر دیا جائے۔ اب اس کے بارے میں یہ فیصلہ باقی ہے کہ آیا یہ کافر ہو گیا اس لئے قتل کر دیا جائے، یا فاسق ہے اس لئے؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ اور سلف کی اکثریت اس پر ہے کہ وہ کافر ہو گیا اس لئے قتل کر دیا جائے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ وجوب کا اقرار کرتا ہو۔ لیکن جب وجوب ہی کا انکار کرے تو تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ وہ اس انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہی حال تمام واجبات اور محرمات کا ہے جن کے خلاف اقدام کرنے پر اُسے قتل کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ترک واجبات اور فعل محرمات کی عقوبت و سزا جہاد فی سبیل اللہ کا اصل مقصود ہے۔ اور یہ جہاد امت مسلمہ پر بالاتفاق واجب ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول اس پر

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 103 •••••

دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ جہاد بندوں کا بہترین عمل ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے درخواست کی کہ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَلَّنِي عَلَى عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ لَا تَسْتَطِيعُهُ
أَوْ لَا تُطِيقُهُ قَالَ أَخْبِرْنِي بِهِ . قَالَ تَسْتَطِيعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ أَنْ تَصُومَ وَلَا
تَفْطُرَ وَ تَقُومَ وَلَا تَفْتِرَ . قَالَ وَمَنْ يَسْتَطِيعُ ذَلِكَ فَذَا الَّذِي يَعْدِلُ الْجِهَادَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ

یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتلائے جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔ آپ نے فرمایا:
تم ایسے عمل کی طاقت نہیں رکھتے۔ اُس نے کہا مجھے بتلا تو دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا
تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ مجاہد جہاد کے لئے نکلے، اُس وقت سے تم روزہ رکھو اور کبھی ناند نہ
کرو۔ اور رات بھر نماز پڑھو اور کبھی نہ چھوڑو۔ پھر فرمایا اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟ پھر
فرمایا یہ عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو سکتا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمِائَةَ دَرَجَةٍ بَيْنَ الدَّرَجَةِ إِلَى الدَّرَجَةِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ أَعَدَّ اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ .

جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کا فاصلہ ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار رکھے ہیں۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَ عَمُودُهُ الصَّلَاةُ وَ ذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
إِسْلَامِ رَأْسِ الْأَمْرِ هُوَ۔ اور اس کا عمود و ستون نماز ہے۔ اور سب سے افضل و برتر جہاد فی
سبیل اللہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحجرات)

پس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، پھر کسی قسم کا
شک و شبہ نہیں کیا۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہے۔ حقیقت میں
یہی سچے مسلمان ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ . وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ○ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ
بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ○ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ
اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) آباد رکھنے کو اس
شخص جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے،
اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔ جو
لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کے راستے میں
جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی لوگ منزلِ مقصود کو پہنچنے
والے ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور باغوں میں رہنے کی خوشخبری
دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ملے گی، ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے، بیشک

اللہ کے ہاں ثواب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

باب 11 (Chapter) کے مضامین

قطاع الطريق یعنی راہزنوں، ڈاکوؤں، لٹیروں کی عقوبت و سزا۔ جب نبی کریم ﷺ کسی کو جہاد کے لئے بھیجتے تو نصیحت فرماتے کہ کافروں کو قتل کرو لیکن غلو یعنی حد سے تجاوز نہ کرنا۔ اپنا وعدہ اور عہد پورا کرنا۔ ناک کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ نہ کرنا۔ چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا۔ جو اپنے اپنے گھروں میں اسلحہ اور ہتھیار لے کر بیٹھے ہوں ان کو قتل نہ کرنا۔ اگر کافر مسلمانوں کو مثلہ کریں تو مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ بھی ایسا کریں۔ لیکن نہ کرنا بہتر ہے۔

محارب لڑائی کرنے والا، جنگی مجرم، کرائے کے قاتل یا دہشتگرد، قطاع الطريق، راہزن، ڈاکو، جو راستوں وغیرہ میں مسافروں، راہ چلنے والوں کو لوٹا کرتے ہیں اور ان کا مال چھینا کرتے ہیں، اب وہ اور اعراب اور بدو، دیہاتی ہوں یا ترکمان، فلاحین کسان یا بدمعاش سپاہی، فوجی ہوں یا نو جوان شہری ہوں خواہ کوئی بھی ہوں، ان کی عقوبت و سزا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (المائدة ع 5)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور فساد کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیئے جائیں یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ ڈالے جائیں یا ان کو جلا وطن کر دیا

جائے یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ اپنی سنن میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قطاع الطريق راہزنوں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کے متعلق فرماتے ہیں:

إِذَا قَتَلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ قَتَلُوا وَصَلَبُوا وَإِذَا قَتَلُوا وَلَمْ يَأْخُذُوا الْمَالَ قَتَلُوا
وَلَمْ يُصَلَّبُوا وَإِذَا أَخَذُوا الْمَالَ وَلَمْ يُقَتِّلُوا قُطِعَتْ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ
خَلَافٍ وَإِذَا أَخَافُوا السَّبِيلَ وَلَمْ يَأْخُذُوا الْمَالَ نَفُّوا مِنَ الْأَرْضِ.

جب وہ قتل کریں اور مال و متاع لوٹ لیں تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر چڑھا دیا جائے
اور جب وہ قتل کریں اور مال و متاع نہیں لوٹا تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر چڑھایا
جائے، اور جب مال لوٹ لیں اور قتل نہ کریں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں، ایک ہاتھ اور
پاؤں کاٹ دیئے جائیں، اور جب یہ لوگ مال و متاع نہیں لوٹتے اور صرف ڈراتے ہیں تو
انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔

یہی قول اکثر علماء کا ہے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور یہی قول امام
ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے قریب قریب ہے۔

اور انہیں لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے متعلق امام و امیر ﴿حکام اور جج یا قاضی﴾ کو
اجتہاد اور غور کرنا ہوگا۔ قتل کرنے اور نہ کرنے کی مصلحت سامنے رکھنی ہوگی۔ اگر رئیس و سردار، پیشوائے
مطاع (مریدوں اور خُروں کا ”پیر“) ہے تو اُسے قتل نہ کیا جائے۔ دوسروں کو مصلحت دیکھ کر قتل کرادے
اگر انہوں نے مال نہیں لوٹا لیکن وہ شجاع اور بہادر اور قوی ہے، اور قوت و طاقت سے مال لے
سکتا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

بعض کا قول ہے کہ اگر اس نے مال لوٹا ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے، اور اُس کے ہاتھ کاٹے
جائیں اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

جو محارب ﴿کرائے کے قاتل یا دہشتگرد﴾ ہیں اور انہوں نے قتل بھی کیا ہے، تو امام و امیر، اور حاکم ان پر حد جاری کرے، اور انہیں قتل کرادے۔ ایسے لوگوں کو معاف کرنا اور درگزر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اور کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ابن المذکر کہتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے۔ مقتول کے ورثاء پر اس کا دار و مدار نہیں ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ کسی آدمی نے کسی باہمی عداوت و جھگڑے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ خاص اور اسباب کی وجہ سے قتل کیا ہے تو مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو اختیار دے دیا جائے، یہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں، چاہیں معاف کر دیں۔ اور چاہیں تو دیت و خون بہالے لیں۔ کیونکہ غرض خاص اور وجہ مخصوص کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔

محارب ﴿لڑائی کرنے والے، جنگی مجرم، کرائے کے قاتل اور ہشت گرد﴾ سب کے سب قتل کر دیئے جائیں کیونکہ انہوں نے مال لوٹا ہے، اور ان کا ضرر و نقصان عام ہے۔ یہ بمنزلہ چوروں کے ہیں اور انہیں قتل کرنا حد کی بنا پر ہوگا۔ اور یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اگر مقتول کفو من قاتل کے برابر نہیں ہے مثلاً قاتل حُر و آزاد ہے اور مقتول غلام ہے، یا قاتل مسلمان ہے اور مقتول غیر مسلم ذمی یا مستامن ہے تو فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ محارب ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ اور قوی قول یہی ہے کہ قتل کر دیا جائے کیونکہ فساد عام کے اعتبار سے بر بنائے حد قتل کیا جائے گا۔ جس طرح کہ لوگوں کا مال لینے کی وجہ سے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور لوگوں کے حقوق کی بنا پر جس و قید میں رکھا جاتا ہے۔

اگر محارب راہزنوں اور چوروں کی ایک جماعت ہے اور ان میں سے ایک قتل کا مرتکب ہے اور دوسرے اس کے معاون و مددگار ہیں تو کہا گیا ہے کہ جو شخص قتل کا مرتب ہے فقط اُسے قتل کیا جائے۔

اور جمہور علماء کا قول ہے کہ سب کو قتل کر دیا جائے، اگرچہ ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہو۔ خلفاء راشدین سے یہ ماثور ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے محارب لوگوں کے اس نگران کو جو بلند مقام پر بیٹھ کر مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا کرتا تھا اور کافروں کو اطلاع دیا کرتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا، قتل

••••• حکمران پیور کریسی اور عوام ••••• 108 •••••

کر دیا تھا۔ اس لئے کہ قتل کرنے والا ان کی معاونت و امداد سے قتل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور ان کی اعانت و امداد سے ظفر یاب اور متمتع ہوتا ہے۔ اور اس لئے ثواب و عقاب میں سب کے سب مشترک ہوں گے جیسے کہ مجاہدین ثواب اور مال میں سب مشترک ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَاؤُ ذِمَّتُهُمْ وَ يَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ اَذْنَانُهُمْ وَ هُمْ يَدُّ عَلَى سِوَاهُمْ
وَيُرَدُّ مَتَسَرِّبُهُمْ عَلَى قَاعِدَتِهِمْ

تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ادنیٰ آدمی کا ذمہ بھی پورا کیا جائے گا۔ اغیار کے مقابلہ میں سب ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔ اور مسلمان سریرہ ﴿فوجی جنگی دستہ﴾ بھیجیں تو اس سریرہ میں مال ﴿واسباب جنگ﴾ بھیجنے والے، بیٹھے رہنے والوں کے برابر ہیں۔

یعنی جب مسلمانوں کا لشکر چند آدمیوں کو بطور سریرہ بھیجیں اور اس سریرہ نے مال غنیمت حاصل کیا تو اس میں مسلمانوں کا لشکر بھی شریک رہے گا۔ کیونکہ اسی کے بل بوتے پر غالب رہے ہیں۔ اور انہی کی قوت و تمکنت سے قدرت پائی ہے۔ ہاں کچھ نفل یعنی زائد دیا جائے تو یہ دوسری ﴿بہتر﴾ بات ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نفل اور زائد سریرہ ﴿فوجی دستہ﴾ کو دیا ہے۔ ابتداء میں خمس کے بعد ایک ربع دیا تھا۔ جب لوگ وطن واپس لوٹے اور وطن سے سریرہ بھیجا تو خمس کے بعد ایک ثلث یعنی تہائی حصہ دیا تھا۔

اسی طرح اگر فوج و لشکر مال غنیمت حاصل کرے تو سریرہ کو شریک کر لیا جائے کیونکہ سریرہ ﴿فوجی دستہ﴾ مسلمانوں کی فوجی، لشکری مصلحتوں کی وجہ سے بھیجا گیا ہے۔ جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اس لئے کہ لشکر اسلام اور مسلمانوں کی فوجی مصلحت کی وجہ سے یہ بھیجے گئے تھے، تو اس گروہ کے معاونین و انصار معاون و مددگار وہی فائدہ اٹھائیں گے جو ﴿دوسرے﴾ لوگ اٹھا رہے ہیں۔ جو ان کے لئے ہوگا ان کے لئے بھی ہوگا اور جو ان پر ہوگا وہ ان پر بھی ہوگا۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو باطل پر لڑے مرے اور بلا تاویل کے قتل ہوئے مثلاً قبائلی عصبیت یا

••••• حکمران پیور و کرہی اور عوام 109 •••••

جاہلیت کی دشمنی کی بناء پر باہم لڑے اور قتل ہوئے۔ جیسے کہ قبیلہ قیس اور قبیلہ یمین وغیرہ۔ دونوں کے دونوں ان میں سے ظالم تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا التَّقَى الْمُسْلِمَانِ بَسِيفَهُمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ

جب دو مسلمان باہم تلواریں سنت لیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں (بخاری و مسلم)

ان میں سے ہر گروہ دوسرے گروہ کی جان و مال تلف کرنا چاہتا تھا۔ گو قاتل اور مقتول نہیں جانتے تھے کہ کون مرتا ہے اور کون مارتا ہے۔ ہر طائفہ، ہر گروہ اپنی مدافعت کرتا تھا اور دوسرے کو مارتا تھا۔

لیکن اگر صرف مال لوٹ لیا ہے قتل نہیں کیا جیسا کہ اکثر اعراب ﴿بدوؤں﴾ کا دستور ہے تو اس صورت میں ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور یہ اللہ کا فرمان بھی ہے۔

أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خَلَاْفِ (المائدة ع 5)

یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں۔

ہاتھ کاٹا جائے جس سے وہ پکڑتے اور چھینتے تھے۔ اور پاؤں کاٹا جائے جس سے یہ چلتے تھے۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد کھولتے ہوئے زیتون کے تیل میں داغ دیئے جائیں تاکہ خون بند ہو جائے اور اُس کی جان تلف نہ ہو۔ چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں اُن کا بھی یہی طریقہ ہے۔

اور یہ عمل یعنی ہاتھ پاؤں کاٹنا ایسا عمل ہے کہ قتل سے زیادہ موجب زجر و توبیخ ﴿عبرتاک﴾ ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اعراب و فساق، لشکری غیر لشکری (اور آبادیوں میں رہنے والے) ہمیشہ کٹے ہوئے ہاتھ اور پاؤں دیکھا کرتے ہیں اور باہم مذاکرہ کرتے رہتے ہیں کہ فلاں جرم کے عوض میں یہ سزا ملی ہے۔ اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بخلاف قتل کے کہ اکثر اسے بھول جایا کرتے ہیں۔ اور اسی لئے بعض لوگ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے مقابلہ میں قتل ہونے اور مرنے کو پسند کرتے ہیں۔ یقیناً چوروں وغیرہ کے لئے یہ سزا نہایت عبرت آموز ہے۔

••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام ••••• 110 •••••

اور اگرچہ لوگ اسلحہ نکال لیں۔ مگر کسی کو گزند نہیں پہنچائی اور نہ مال وغیرہ لوٹا ہے۔ اور پھر تلواریں نیام میں کر لیں یا بھاگ گئے۔ یا لوٹ مار اور جنگ چھوڑ دی تو ایسے لوگوں کو جلاوطن کر دیا جائے۔ کہا گیا ہے جلاوطن کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک شہر اور آبادی میں اجتماعی حیثیت سے انہیں نہ رہنے دیا جائے۔ بعض کہتے ہیں انہیں جس وقید میں رکھا جائے یہی ان کے لئے جلاوطنی ہے، بعض کہتے ہیں جلاوطن کرنے کے معنی یہ ہیں کہ امام و امیر اور حاکم جس بات کو قوم کے حق میں صلح ﴿زیادہ بہتر﴾ سمجھے وہ کرے، خواہ جلاوطن کرے یا جس وقید میں رکھے یا جو طریقہ بھی مناسب ہو معلوم کرے۔ اور شرعی قتل یہ ہے کہ تلوار یا کسی دوسری تیز چیز سے انسان کی گردن کاٹ دی جائے۔ کیونکہ قتل کا آسان ترین طریقہ یہی ہے۔ اللہ نے آدمی، بہائم اور چوپایوں کو اسی طرح قتل کرنا مشروع فرمایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ان الله كتب الاحسان على كل شيء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة و اذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة وليحد احدكم شفرته وليبرح ذبيحته (رواه مسلم)

بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے جب تم کسی کو قتل کرو تو اچھے طریقے پر قتل کرو جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے پر ذبح کرو۔ اپنی چھری تیز کر لیا کرو اور ذبیحہ کو جلد سے جلد راحت پہنچاؤ۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

ان اعف الناس قتلة اهل الايمان .

بیشک اہل ایمان قتل کرنے میں سب سے زیادہ باعافیت ہوتے ہیں۔

سولی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کو اونچی جگہ لٹکا دیا جائے تاکہ لوگ اُسے دیکھیں اور مشتہر ہو جائے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ قتل کرنے کے بعد ہوا کرتا ہے اور بعض علماء کا قول ہے پہلے سولی پر لٹکا دیا جائے پھر قتل کر دیا جائے۔

••••• 111 ••••• حکمران پیورہ کر لیں اور عوام

اور جو لوگ قتل کئے جائیں تو انہیں مثلہ کرنا، یعنی ناک، کان وغیرہ کا ٹٹا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ہاں قصاص و بدلہ کی صورت میں جائز ہے چنانچہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے جب کبھی ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو صدقہ و خیرات کا حکم فرمایا۔ اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ کفار کو ہم قتل کریں تو ان کو بھی مثلہ کرنے سے ہم کو منع فرمایا ہے۔ قتل کے بعد ان کو مثلہ نہیں کیا کرتے تھے ان کے ناک اور کان نہیں کاٹتے تھے اور نہ ہی ان کے پیٹ چیرا کرتے تھے ہاں اگر مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے ایسا کیا تو ہم بھی ایسا کرتے تھے لیکن پھر بھی چھوڑ دینا بہتر سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ
وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ (نحل: 16)

مسلمانو! مخالفین کیساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر صبر کرو تو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے اور اے پیغمبر تم صبر کرو اور اللہ کی توفیق کے بغیر تم صبر کر ہی نہیں سکتے۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی ہے جب سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور شہداء اُحد کے ساتھ کفار نے ایسا کیا، اُن کو مثلہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی رنج کے مارے کہا:

لَئِنْ أَظْفَرَنِي اللَّهُ بِهِمْ لَأَمْلُنَ مِنْهُمْ بِضَعْفَى مَا مَثَلُوا بِنَا.

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ظفریاب ﴿فتح یاب﴾ کیا تو میں اُن میں سے دُگنے آدمیوں کو مثلہ کروں گا جیسا کہ اُنہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ گو اس سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہو چکی تھی جس طرح کہ یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل ع 10)

••••• حکران پیورو کر لیں اور عوام 112 •••••

اے پیغمبر! تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ روح میرے رب کا ایک حکم ہے۔

اور یہ آیت:

وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيْ النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ
(ہود ع 10)

اے پیغمبر! دن کے دونوں سرے صبح و شام اور اوائل شب نماز پڑھا کرو بیشک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

وغیرہ آیتیں دوبارہ نازل ہوئی ہیں، پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں پھر ضرورت پیش آئی تو پھر نازل کی گئیں۔ غرض! نبی ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا:

بل نصبر

بلکہ ہم صبر کریں گے۔

اور صحیح مسلم میں بروۃ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ جب کبھی کسی کو امیر سریہ یا امیر لشکر بنا کر بھیجتے تو اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو خاص نصیحت فرماتے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی ہدایت فرماتے اور پھر فرماتے:

اغذوا بسم الله و في سبيل الله قاتلوا من كفر بالله لا تغلوا ولا تعذروا ولا
تمثلوا ولا تقتلوا وليدا. (رواہ مسلم)

اللہ کا نام لے کر جہاد کرو اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اُن کو قتل کرو غلو مت کرو اور غدر نہ کرو اور مثلہ نہ کرو اور چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرو۔

اگر کفار مال و متاع لوٹنے کی غرض سے بڑی آبادیوں میں اسلحہ، ہتھیار لے کر چڑھ دوڑیں تو انہیں محارب کہا جائے گا یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں وہ محارب نہیں کہے جائیں گے بلکہ وہ بمنزلہ اُچکوں اور ڈاکوؤں کے ہوں گے کیونکہ شہری آبادی میں امداد و اعانت طلب کی جائے تو لوگ امداد کیلئے دوڑ پڑتے

ہیں۔

اور اکثر لوگوں کا قول ہے کہ آبادیوں اور صحراء کا ایک ہی حکم ہے اور یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے اکثر شاگردوں کا۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا ہے: بلکہ شہروں میں لوٹ و غارت گری کرنے والے صحراء میں لوٹ و غارت گری کرنے والوں کے مقابلہ میں زیادہ عقوبت و سزا کے حقدار ہیں کیونکہ شہری آبادیاں امن و اطمینان کے اعتبار سے زیادہ محفوظ ہوا کرتی ہیں باہم ایک دوسرے کی نصرت و امداد اور تعاون زیادہ حاصل ہوا کرتا ہے اور ایسی جگہ اقدام کرنا سخت ترین محاربہ اور سخت ترین غلبہ کی دلیل ہے ان کا جھٹہ بہت قوی اور مضبوط ہے اور اسی لئے وہ شہر اور آبادیوں پر حملہ آور ہوئے ہیں اور ان کے گھروں میں گھس کر سلب و غارت گری اور لوٹ مار کر رہے ہیں ان کا مال ان کا اندوختہ لوٹ رہے ہیں اور مسافر کیساتھ سارا مال و متاع نہیں ہوا کرتا بلکہ کچھ مال ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں یہی مسلک صحیح صواب ہے خصوصاً وہ گروہ جنہیں شام و مصر والے مفسر اور بغداد والے عیار کہا کرتے ہیں۔

اگر یہ لوگ لالٹھیوں اور پتھروں سے جنگ کریں تو یہ لوگ بھی محارب ہی کہے جائیں گے فقہاء سے نقل کیا گیا ہے ”لا محاربة الا بالمحدود“ محاربہ تیز چیز سے ہوا کرتا ہے بعض لوگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ محاربہ تیز چیز اور بھاری چیز کے پھٹکنے سے ہوا اور پھر اس بارے میں اختلاف و نزاع ہو یا نہ ہو صحیح مسلک جس پر عام مسلمانوں کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص نے مال لوٹنے کی غرض سے قتل و غارت گری شروع تو وہ کسی قسم کی بھی جنگ کریں محارب ڈاکو ٹیرے کہے جائیں گے جس طرح کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والے کفار کو حربی کہا جاتا ہے خواہ کسی قسم کی بھی جنگ کریں اور کسی طرح بھی لڑیں خواہ تلوار اور نیزوں سے یا پتھر اور لالٹھیوں سے کافروں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کی تو وہ حربی ہوں گے اور مسلمان مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے۔

وہ لوگ جو پراسرار اور مخفی طریقوں سے قتل کرتے ہیں اور مال لینے کے لئے جانیں لیتے ہیں مثلاً

••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام 114 •••••

دکانیں، مسافر خانے راستوں میں مسافروں کے نام سے بنوا کر ان میں مسافروں کو ٹھہراتے ہیں جب کوئی مسافر ہتھے چڑھ جاتا ہے اور ان لوگوں میں تنہا پھنس جاتا ہے تو اُسے قتل کر کے اس کا سارامال لے لیا جاتا ہے یا بعض لوگوں کا پیشہ ہوتا ہے کہ طبیب ڈاکٹر کو اجرت دے کر اپنے گھر لے آتے ہیں اور موقع پا کر اُسے قتل کر دیتے ہیں اور اس کا مال وغیرہ لوٹ لیتے ہیں اور مکروفریب سے لوٹ لیتے ہیں اور جب یہ مال لوٹ لیا گیا تو اب اُن کو محارب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ یا ان پر تو دکان حکم جاری ہوگا؟ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ محارب ہوگا کیونکہ حیلہ سے قتل کرنا اور کھلے طور پر قتل کرنے سے زیادہ مضرت رساں اور زیادہ خطرناک ہوتا ہے کھلے طور پر قتل کرنے والے سے بچاؤ اور حفاظت کی جاسکتی ہے لیکن حیلہ اور دھوکہ سے قتل کرنے والے سے حفاظت و بچاؤ مشکل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ محارب اُسے کہیں گے جو کھلے طور پر قتل کرنے پر اُتر آئے اور پھر یہ کہ اس دھوکہ باز حیلہ ساز کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے ہاتھ میں ہے مگر پہلا قول اُصولِ شریعت کے زیادہ موافق ہے کیونکہ اس کا نقصان اور ضرر بہت سخت ہوا کرتا ہے بمقابلہ محارب کے۔

اگر کوئی شخص سلطان ﴿حاکم وقت﴾ کو قتل کر دے تو اُس کا کیا حکم ہے؟ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے مثلاً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو اُن کا حکم محاربین کا ہوگا؟ ان پر حد جاری ہوگی یا ان کا معاملہ اولیاء الدم ﴿مقتول کے ورثاء﴾ کے ہاتھ میں ہوگا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ اس لئے کہ ایسے لوگوں کو قتل کرنے میں عام فساد کا اندیشہ ہے۔

باب 12 (Chapter) کے مضامین

سلطان کو قتل کرنے والے محارب ہوں گے جن پر حد جاری کی جائے گی یا ان کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے اختیار میں ہوگا؟ جب سلطان ﴿حاکم وقت﴾ یا اُس کا نائب حد

جاری کرنے کے لئے قاتل کو طلب کرے اور اس کے قبیلہ اور خاندان کے لوگ اس کی حمایت کریں اور لڑنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عام مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ ان سے قتال و جنگ کریں یہاں تک کہ مسلمان اس پر قابو پالیں۔

یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جبکہ ان پر قدرت و قابو پاسکیں۔ جب سلطان یا نائب سلطان اور حاکم بغیر کسی قسم کی زیادتی کے قاتلین سلطان پر حد جاری کرنا چاہیں اور انہیں حاضر ہونے کا حکم دیں اور دوسرے لوگ ان کی حمایت و طرفداری کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو عام مسلمانوں پر واجب و فرض ہے کہ ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال اور جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں یہاں تک کہ مسلمان ان سب پر قابو پالیں ﴿اور﴾ تمام علماء امت کا اس پر اتفاق ہے۔

اور اگر قتل کے بغیر وہ اطاعت قبول نہیں کرتے اور اس کی نوبت ہی آجائے تو یہ بھی کر گزریں اور پورا پورا مقابلہ کریں، ان کو قتل کریں ﴿اور ان﴾ سب کو قتل کیا جائے اور جیسے بھی ممکن ہو ان کی گردنیں اڑا دیں اور جو بھی ان کی حمایت اور اعانت و امداد کریں انہیں ﴿بھی﴾ قتل کرنا شروع کر دیں۔ یہ قتال و جنگ ہے اور وہ حد جاری کرنے کا مسئلہ ہے۔ شرائع اسلام کا مقابلہ کرنے والوں کا مسئلہ زیادہ اہم اور زیادہ مؤکد ﴿ضروری﴾ ہے۔ یہ لوگ گروہ بندی اور جتھہ سازی میں اس لئے مشغول ہو گئے ہیں کہ لوگوں کو خراب کریں، لوگوں کا مال لوٹیں، زراعت اور نسل انسانی کو ہلاک کریں۔ ان کا مقصد یہ نہیں کہ دین کو قائم کریں اور ملک و ملت کی خدمت کریں۔ ان لوگوں کا وہی حکم ہے جو محاربین کا ہے، جو کسی قلعے یا کسی غار یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی وادی وغیرہ میں پناہ لے کر گزرنے والوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، راہزنی کرتے ہیں۔ جب انہیں ولی الامر اور حاکم کی فوج کہتی ہے کہ اطاعت کر لو اور توبہ کرو، معافی مانگو اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ، حد قائم و جاری کرنے میں سلطان، ولی الامر اور حاکم کی اطاعت کرو، تو یہ لوگ قتل و جنگ شروع کر دیتے ہیں اور مدافعت پر اتر آتے ہیں۔ ان لوگوں کا حال ایسا ہی ہے جو حاجیوں وغیرہ کو راستوں میں لوٹتے ہیں اور ان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، راہزنی کرتے ہیں۔

••••• 116 ••••• حکمران پیورو کر سکی اور عوام

یا اُن لوگوں کا سا ہے جو پہاڑوں وغیرہ میں چھپے رہتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں یا غاروں میں راہزنی ڈیکیتی کی غرض سے چھپ کر بیٹھتے ہیں۔ جیسے وہ گروہ جو قطع طریق اور راہزنی کی غرض سے شام و عراق کے درمیان چھپے بیٹھے ہیں لیکن پھر بھی ان لوگوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال ایسا نہیں ہے جیسا کفار کے مقابلہ میں جنگ و قتال ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ کفار نہیں ہیں، ان کا مال نہ لوٹا جائے جب تک کہ وہ ناحق نہ لوٹیں۔ اگر وہ لوگ لوٹیں تو ان پر ضمان لازم آئے گا اور اسی قدر ان کا مال لیا جائے گا جس قدر انہوں نے لوٹا ہے، اگرچہ معین طور پر لوٹنے والے ہاتھ نہ آئیں۔ اگر لوٹنے والے متعین طور پر معلوم ہو جائیں کہ فلاں شخص نے لوٹا ہے تو اصل لوٹنے والا اور اُس کی مدد کرنے والے، اُس کے حامی سب برابر ہیں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ لیکن جب متعین طور پر ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص ہی نے مال لوٹا ہے تو اس پر ضمان لازم ہوگا اور جو کچھ لوٹا گیا ہے اُن کے مالداروں پر لاداجائے گا۔ اگر مال وغیرہ اُن سے حاصل کرنا مشکل و دشوار ہے تو مصالحِ مسلمین کے لئے جو گروہ قتل و جنگ میں مصروف ہے ان کا رزق اور روزیہ مقرر کر دیا جائے کیونکہ یہ مقابلہ اور جنگ اقامتِ حدود، حد جاری کرنے اور زمین میں فساد روکنے کی غرض سے ہے۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی سخت مجروح ﴿زخمی﴾ ہو جائے تو اُس کا علاج کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اگر وہ لوگ بھاگ جائیں اور عوام الناس اُن کے شر سے محفوظ ہو جائیں تو ان کا تعاقب اور پیچھا نہ کیا جائے۔ ہاں اگر کسی پر حد جاری کرنا واجب ہے یا یہ کہ اُس کے بھاگنے سے خطرہ ہے تو تعاقب اور پیچھا کرنا لازمی و ضروری ہے۔

اور جو لوگ ان میں سے اسیر و قید ہوئے ہیں اُن پر حد جاری کی جائے، جیسی دوسروں پر جاری کی گئی ہے۔ بعض فقہاء نے اس سے زیادہ سختی کی ہے کہ مال غنیمت اُن سے لیا جائے اور اُس کا خمس الگ نکالا جائے۔ لیکن اکثر فقہاء اس کے خلاف ہیں۔ لیکن اگر ان لوگوں نے کسی دوسری مملکت کی پناہ لی جو شریعت اسلامیہ سے خارج ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کی اعانت و امداد کی ہے تو بوجہ اس کے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال کیا ہے، ان کو قتل کیا جائے گا۔

لیکن اگر ایسے لوگ ہیں کہ ڈکیتی، راہزنی نہیں کرتے، بلکہ قافلوں کی پاسبانی اور نگہبانی کے معاوضہ میں بطور خراج ٹیکس کے مقررہ رقم وصول کرتے ہیں جو مسافروں، جانوروں اور اونٹوں وغیرہ پر لیتے ہیں تو ان لوگوں کا معاملہ چنگی وصول کرنے والوں جیسا ہوگا۔ اور چنگی وصول کرنے والوں جیسی عقوبت و سزا ہوگی۔ فقہاء نے ایسے لوگوں کو قتل کرنے کے جواز میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ قطاع الطريق، ڈاکو اور راہزن نہیں ہیں۔ لیکن ان کے بغیر بھی راستہ جاری اور چالور ہوتا ہے۔ باوجود اس کے ایسے لوگ ’أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ‘ ہوں گے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک غامدہ عورت کے بارے میں فرمایا ہے:

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ

اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی ٹیکس وصول کرنے والا ایسی توبہ کر لے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔

اور ایسے لوگ جن کا مال برآمد کرتا ہے، اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت ان کی پشت پر ہے، اور محارب لوگوں سے لڑتی ہے، ان کے لئے مال قطعاً خرچ نہ کیا جائے جبکہ جنگ و قتل ان سے ممکن ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ

دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ حُرْمَتِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ

جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوا وہ شہید ہے، جو شخص اپنی جان بچانے میں قتل ہوا وہ شہید ہے، جو شخص اپنا دین بچانے میں قتل ہوا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل و عیال کی حرمت بچانے میں قتل ہوا وہ بھی شہید ہے۔

اور فقہاء نے اس جگہ ”الصائل“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بلا تاویل، بلا ولایت و حکومت کے ظلم کرتا ہے۔

••••• 118 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

اور جب اس کا دفعیہ بغیر جنگ و قتال کے نہیں ہو سکتا تو ان سے ﴿شیخ صاحب کن سے کیونکہ یہاں فقرہ بن نہیں رہا﴾ جنگ و قتال کیا جائے، اگر جنگ و قتال نہ کیا جائے، اور کچھ مال وغیرہ دے کر انہیں راضی کر لیا جائے تا امکان مال دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ (شیخ صاحب کیا ڈاکو کو مال دیا جائے؟)

لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی کی حرمت پر حملہ کیا جائے، کسی کی محارم سے زنا کیا جائے، یا کسی عورت یا مملوک ﴿غلام﴾ لڑکے سے فجور و بدکاری کی جائے تو جان و مال سے تا امکان اس کی مدافعت کی جائے، اگر قتال و جنگ کرنا پڑے تو یہ بھی کرے، لیکن کسی طرح ایسے کام کی اجازت نہ دے۔ بخلاف مال دینے کے کہ یہ جائز ہے، کیونکہ مال کا خرچ کرنا جائز ہے اور اپنے ساتھ یا محارم عورتوں کے ساتھ فجور و بدکاری قطعاً جائز نہیں ہے۔

اور جب اس کا مقصد یہ ہو کہ کسی کو قتل کرے تو اس کے لئے اپنی جان کا بچانا لازم ہے اور یہ مدافعت اس پر واجب ہے، اس میں علماء کے اور امام احمد کے اور دوسروں کے مذہب میں دو قول ہیں۔ یہ اس وقت جبکہ لوگوں کا سلطان موجود ہو لیکن اگر العیاذ باللہ عظیم فتنہ ہو، مثلاً دو مسلم سلطان باہم جنگ کرتے ہیں اور ملک کے لئے جنگ کر رہے ہیں جبکہ ان میں سے ایک دوسرے کے ملک میں داخل ہو گیا ہے اور تلواریں باہم چل رہی ہیں، ایسے فتنہ کے وقت اپنی جان بچانا ضروری ہے۔ تو ایسی صورت میں مسلمان کے لئے جائز ہے اپنی جان اُن کے حوالہ کر دے اور دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں اور دوسروں کے مذہب میں اس بارے میں دو قول ہیں۔

جب مسلمان حاکم وقت! محارب ﴿لڑائی کرنے والے﴾ حرامیوں، چوروں اور راہزنوں پر کامیاب ہو اور وہ مال وغیرہ لوٹ چکے ہیں تو سلطان کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں سے مال نکلوائے اور جن کا ہو اُن کو دیدے۔ اور ان محاربین پر حد جاری کرے، یہی حال اور یہی حکم چوروں کا ہے، اگر یہ لوگ مال حاضر کرنے میں تامل کریں اور مال کا ثبوت سلطان کو مل چکا ہے تو سلطان اُن کو اسیر و قید اور

جس کرے اور مار مارے اور مناسب عقوبت (جیل و قید و بند) اور سزا دے یہاں تک کہ جو کچھ اُن لوگوں نے لیا ہے وہ حاضر کر دیں، یا کسی کو اپنا وکیل بنادیں کہ وہ لا کر مال حاضر کر دیں، یا جہاں مال چھپایا ہے اُس کی خبر دے دیں۔ جیسے حق واجب اور قابل ادا کو نہ دینے والے کو عقوبت و سزا دی جاتی ہے اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں عورت (بیوی) کو مارنے کا حکم دیا، جب وہ مرد کا (خاوند کا) حق ادا نہ کرے، اور عورت (بیوی) مرد سے سرکشی کرے۔ اور عقوبت و سزا صاحب مال کا حق ہے۔ تو یہ لوگ بدرجہ اولیٰ عقوبت و سزا کے حقدار ہیں اور زیادہ سزا اور عقوبت و سزا ہیں۔ اور پھر بھی اگر صاحب مال ان کو بخش دے یا مصالحت کر کے عقوبت و سزا کو معاف کر دے تو یہ اُسے اختیار ہے۔ بخلاف حد قائم اور جاری کرنے کے کہ حد قائم اور جاری کرنا فرض ہے اور اُسے حد معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کسی حال میں حق نہیں کہ وہ حد قائم کرنے سے روکے۔ اور امام، حاکم کے لئے یہ جائز نہیں کہ صاحب مال کی بات کو پکڑے رہے کہ اس نے اپنا حق چھوڑ دیا، یا معاف کر دیا۔ اور اگر مال وہ خرد برد کر چکا ہے، یا کسی اور طریقہ سے تلف اور ضائع ہو گیا تو اس مال کی ضمانت لی جائے گی جس طرح کہ غاصب لوگوں سے ضمانت لی جاتی ہے۔ اور یہ قول امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے۔ اور جب تک اُسے عسرت و تنگی ہے آسانی اور سہولت ملنے تک مہلت دی جائے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے عزم اور قطعید (ہاتھ کاٹنا) دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں یہ ضمانت صرف آسانی تک ہوگی۔ اور یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے، اور سلطان کے لئے جائز نہیں کہ مال کے مالکوں سے ان محاربین ﴿لڑائی کرنے والوں﴾ کے مقابلہ کے لئے عوض کچھ لے، سلطان کو اپنے لئے بھی لینا جائز نہیں، نہ لشکر اور فوج کے لئے کچھ لینا جائز ہے۔ بلکہ اُن کا مقابلہ کرنا جہاد ہے۔ اور جہاد و غزوات کیلئے جہاں سے اُن کا خرچ دیا جاتا ہے وہاں سے اُن کا خرچ بھی دے۔ اگر ان مجاہدین کو زمینیں دی گئی ہیں، یا حکومت کی جانب سے انہیں اتنا مل رہا ہے کہ اُن کے لئے کافی ہے تو بس کرنا ﴿یہی کافی﴾ ہے۔ اور اگر کافی نہیں ہے تو مصالحت قوم کے لئے جو صدقات وغیرہ جمع ہیں اُس میں

سے بقدر کفایت ان کو کچھ دے دے کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اگر مسافر پکڑے گئے ہیں اور ان پر زکوٰۃ باقی ہے، مثلاً وہ تاجر ہیں اور چوروں کے نرغے میں پھنس گئے ہیں تو امام اور حاکم ان سے مال کی زکوٰۃ ضرور وصول کرے۔ اور اس زکوٰۃ کے مال کو اس جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرے جس طرح کہ محارب لوگوں کے مقابلہ میں لڑنے والوں کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔

اور اگر یہ گروہ با شوکت و عظمت اور قوی ہے جن کی تالیف قلوب ضروری ہے تو امام ﴿یعنی گورنر﴾ و حاکم ﴿وقت﴾ مال فئے اور جو مصالح لمعین کے لئے جمع ہے اس میں سے اور زکوٰۃ میں سے بعض رؤساء اور سرداروں کو دیدے تاکہ وہ باقی دوسروں ﴿سرکشوں﴾ کو حاضر کریں۔ یا یہ کہ وہ خود شرات اور سرکشی چھوڑ دیں اور باقی میں ان لوگوں کا زور کم ہو جائے تو یہ اور اس جیسا کام کرنا امام ﴿یعنی گورنر﴾ و حاکم ﴿وقت﴾ کے لئے جائز ہے۔ اور یہ لوگ مؤلفۃ القلوب میں شمار کئے جائیں گے۔ اور امام احمد اور بہت سے ائمہ نے بھی یہی کہا ہے اور ظاہر کتاب و سنت اور اصول شریعت بھی یہی ہے۔

اور امام ﴿یعنی گورنر﴾ و حاکم ﴿وقت﴾ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو ان چوروں، راہزنوں اور ڈاکوؤں کے مقابلہ میں نہ بھیجے جو ضعیف اور کمزور ہوں۔ اور نہ ایسے لوگوں کو بھیجے جو مسافر ہیں اور پکڑے گئے ہیں یا تاجر و سوداگر اور مال دار ہیں ان سے تو مال وغیرہ وصول کر لیا جائے۔ بلکہ قوی و مضبوط اور امین لوگوں کو بھیجے مگر ہاں جبکہ قوی اور مضبوط اور امین آدمیوں کا ملنا دشوار ہو تو اس صورت میں کوشش کرے اور مثل فالامثل کو بھیجے۔

بعض نائبین سلطان ﴿وزیر اعظم، گورنر اور وزراء وغیرہ﴾، رؤساء ﴿بڑے بڑے جاگیردار، چوہدری اور خان﴾ و ﴿اعلیٰ سول و پولیس﴾ حکام اور سردار و سالار ﴿یعنی فوجی حکام﴾ ظاہر و باطن میں حرامی ﴿اسمگلروں﴾ چوروں، ڈاکوؤں اور راہزنوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ ظاہر یا باطن میں ان کو شہہ دیتے ہیں۔ جو مال حرامی ﴿اسمگلر﴾ چور، ڈاکو اور راہزن لوٹتے ہیں اس میں ان کا حصہ ہوتا

ہے۔ یہ لوگ ماخوذین ﴿جن کا مال لوٹا گیا ہے اُن﴾ کو کچھ مال دے کر راضی کر لیتے ہیں اور بوجہ مجبوری وہ اُسے منظور بھی کر لیتے ہیں ﴿لیکن﴾ یہ ایک ایسا عظیم ترین جرم ہے کہ حرامیوں چوروں، ڈاکوؤں راہزنوں کے مقدم ﴿یعنی پیشوا﴾ اور سردار سے بڑھ کر ہے کیونکہ اُن کی مدافعت ممکن ہے اور اس ﴿حاکم و بیوروکریٹ﴾ کی مدافعت نہیں ہو سکتی۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق ہی کہا جائے گا کہ جو اُن کی مدد و معاونت کرتا ہے وہ عقوبت و سزا کا مستحق ہے۔ اگر یہ لوگ قتل کریں تو اُن کو قتل کیا جائے۔ یہی قول سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور اکثر اہل علم کا ہے۔ اگر یہ لوگ مال ﴿لے﴾ لیں تو سیدھا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ اگر یہ لوگ قتل کریں اور مال لوٹیں تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور قتل کر دیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض کا قول ہے قتل اور سولی پر لٹکانے میں اُسے اختیار ہے کیونکہ اگرچہ اس ﴿بیوروکریٹ﴾ نے اس غارت گری اور لوٹ مار میں حصہ نہیں لیا اور نہ اسکی اجازت دی لیکن جب اُن ﴿دہشت گردوں اور ڈاکوؤں﴾ کو پکڑا گیا اور ان پر قدرت پالی گئی تو اُس وقت وہ ﴿بیوروکریٹ﴾ تقسیم مال میں شریک تھا اور بعض حقوق اور حدود کو اس نے بیکار کر دیا۔ جو شخص ﴿یعنی حاکم، جاگیردار، بیوروکریٹ، اعلیٰ سول، پولیس یا فوجی حکام یا کوئی قاضی و جج﴾ محارب ﴿لڑائی کرنے والے، دہشتگرد﴾، چور یا قاتل وغیرہ کو جس پر حد جاری کرنا واجب ہے اللہ اور بندے کا حق ادا کرنا فرض ہے اور بلا عدوان زیادتی کے پورا پورا حق دیا جاسکتا ہے لیکن یہ ﴿صاحب﴾ ان کو پناہ دیتا ہے اس لئے کہ وہ مجرم ہے اور اُس کا شریک ہے جس پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللَّهُ مَنْ أَحَدَثَ حَدَثًا أَوْ أَوْى مُحَدَّثًا. (رواہ مسلم)

اللہ نے اس ﴿شخص﴾ پر لعنت بھیجی ہے جو جرم و گناہ کرے یا مجرم گنہگار کو پناہ دے۔

جب یہ ظاہر اور ثابت ہو جائے کہ فلاں آدمی نے محدث ﴿یعنی مجرم﴾ کو پناہ دی ہے تو اُس سے

••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام 122 •••••

مطالبہ کیا جائے کہ وہ مجرم کو حاضر کرے یا اُس کی خبر دے کہ فلاں جگہ فلاں جگہ و مقام پر ہے۔ اگر وہ حاضر کر دے یا خبر اور اطلاع دیدے تو ٹھیک و گرنہ اُسے جس کی سزا دی جائے، اُسے مار پیٹا جائے، بار بار پیٹا جائے یہاں تک کہ اصل مجرم پر قدرت و قابو حاصل ہو جائے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اداء مال واجب سے روکنے والے اور نہ دینے والے کو عتاب و سزا دی جائے۔ پس جن لوگوں کا حاضر کرنا ضروری اور واجب ہے اور جنہوں نے مال لوٹا ہے اور اس کا واپس کرنا اور دینا ضروری ہے اور اس سے وہ ﴿حاکم، بیوروکریٹ، جج یا جاگیردار﴾ منع کرتا ہے یا روکتا ہے تو ایسے شخص کو عقوبت و سزا دی جائے۔

اگر کوئی شخص مال حق و مطلوب یا آدمی حق مطلوب کو جانتا ہے لیکن اسے روکتا اور چھپاتا نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مال مطلوب اور شخص مطلوب کا پتہ بتلا دے کیونکہ اس کے لئے اس کا چھپانا قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ کا تعاون ہے اور نیکی و تقویٰ کا تعاون واجب ہے بخلاف اس کے کہ کوئی جان و مال بطل ﴿طریقہ پر مطلوب ہو تو اس کا بتلانا اور اس کی خبر دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ یہ اثم و عدوان﴾ گناہ اور فسق و فجور ﴿کا تعاون ہے بلکہ اس کام کی مدافعت﴾ یعنی اس سے روکنا اور رکنا ﴿واجب ہے کیونکہ مظلوم کی نصرت و اعانت واجب ہے جیسا کہ صحیحین﴾ یعنی بخاری و مسلم ﴿میں سیدنا انس بن مالک ؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَنْصُرُ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْصُرُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ أَنْصُرُ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذَلِكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ (رواہ فی الصحیحین)

تم اپنے بھائی ظالم کی مدد کرو یا مظلوم کی مدد کرو۔ میں نہ کہا یا رسول اللہ مظلوم کی امداد تو ٹھیک ہے ظالم کی امداد ہم کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے ظلم سے روکو یہ تمہارے بھائی ظالم کی مدد ہے۔

اور صحیحین یعنی (بخاری و مسلم) میں سیدنا براء بن عازب ؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ

••••• حکمران پیورو کرسی اور عوام ••••• 123 •••••

ﷺ نے ہم کو سات چیزوں کا حکم فرمایا اور سات چیزوں سے ہم کو منع فرمایا۔ ہم کو حکم دیا کہ ہم مریض کی عیادت کریں، جنازے میں شرکت کریں، چھینک کا جواب دیں، قسم کھانی ہو تو اُسے پورا کریں، کوئی دعوت دے تو اسے قبول کریں اور مظلوم کی نصرت و امداد کریں۔ اور ہمیں منع کیا ہے سونے کی انگلی پہننے سے، چاندی کے برتن میں پینے، میاثرہ، ریشم، قسی، دیباچ اور استبراق کے پہننے سے۔

پس اگر یہ جاننے والا جسے ٹھکانہ اور پتہ معلوم ہو اور وہ اُس کا ٹھکانہ اور پتہ بتلانے سے انکار کرتا ہے تو اُسے عقوبت و سزا دینا جائز ہے خواہ سزا جس ہو یا کوئی دوسری سزا یہاں تک کہ وہ اُس کا پتہ بتلا دے کیونکہ حق واجب سے وہ انکار کرتا ہے جس میں کسی کی نیابت نہیں چل سکتی تو اُسے عقوبت و سزا دی جائے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

اور اُسے عقوبت و سزا دینا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معلوم اور ثابت نہ ہو جائے کہ یہ جانتا ہے اور ٹھکانے کی خبر رکھتا ہے۔ اور یہ حکم تمام حکام کے لئے ضروری ہے، والی ﴿یعنی گورنر﴾ ہو، یا قاضی، یا دوسرا کوئی ﴿سول، پولیس، فوجی افسر وغیرہ﴾ ہو، سب پر لازم ہے کہ واجب کو چھپانے، قول و فعل سے روکنے والے کی تحقیق کریں۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ تم پر حق اور واجب تھا اور اس پر نہیں تھا۔ نہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جائے جیسا کہ اس آیت کے اندر وارد ہے:

لَا تَنْزِرُ وَاِزْرَةً وَاِزْرَةً وَاِخْوَا۟ی۔ (النجم ع3)

کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بار اپنی گردن پر نہیں لے گا۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٌّ اِلَّا عَلٰی نَفْسِہٖ ۔

آگاہ رہو کہ کوئی بھی مجرم گناہ نہیں کرتا مگر اپنی جان پر۔

جیسے کہ غیر واجب الادا مال کسی سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اُس کا وکیل ہے نہ ضامن اور نہ ہی مال اُس کے پاس ہے۔ یا یہ کہ کسی کو قرابت داری یا پڑوسی کے جرم میں عقوبت و سزا دی جائے ﴿جس طرح

••••• 124 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

آج کل پاکستانی حکام و پولیس کر رہی ہے ﴿۔ حالانکہ وہ خود کسی واجب کے ترک کرنے کا مجرم نہیں نہ اُس نے کوئی حرام کام کیا ہے۔ عقوبت و سزا اُس کو دی جائے جو اُس کا مستحق ہے جبکہ اُسے ظالم کا ٹھکانہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں چھپا ہے؟ اس کا اُسے علم نہیں تو عقوبت و سزا قطعاً جائز نہیں۔ ہاں اگر اُس کا پتہ اُسے معلوم ہے تو اُس پر حق ہے کہ وہ بتادے اور ولی ﴿قاضی و جج یا فسر اعلیٰ﴾ اور حاکم کا فرض ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اُسے منوائے یا جہاں مال رکھا ہے، جس سے مستحقین کے حقوق وابستہ ہیں اُس مقام کو وہ جانتا ہے اُس پر واجب ہے کہ وہ بتادے۔

یہ اعانت و نصرت کتاب و سنت کی رو سے اُس پر واجب ہے اور اجماع اُمت سے اس پر واجب ہے۔

اگر یہ اس لئے بچتا اور رکتا یا انکار کرتا ہے کہ اُس سے ڈرتا ہے یا ظالم کی اعانت کی غرض سے کہ اُس کی حمایت مقصود ہے اس لئے بتلانے سے انکار کرتا ہے جیسا کہ اہل عصبيت ایک دوسرے کے لئے کرتے رہتے ہیں یا مظلوم سے عداوت و دشمنی ہے اس لئے بتانے سے انکار کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرُ مِنْكُمْ شَيْءٌ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ.

(مائندۂ ع 1)

اور لوگوں کی عداوت تمہیں اس جرم کا باعث نہ ہو کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو کہ شیوہ انصاف پر ہیزار گاری سے قریب تر ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے سے اعراض کرتا ہے یا عدل و انصاف سے اعراض کرتا ہے یا جبن ﴿کم ہمتی﴾ و بزدلی اور فشل کی وجہ سے یا غد لان دین کی غرض سے اجتناب کرتا ہے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس کے دین اور اس کی کتاب کے تارک کیا کرتے ہیں۔ جب ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اٹھو چلو اللہ کی راہ میں جہاد کرو تو وہ زمین پر چپک کر رہ جاتے ہیں۔ بہر تقدیر ایسے لوگ عقوبت و سزا کے مستحق ہیں اور تمام علماء اس پر متفق ہیں۔

جو لوگ اس راہ پر گامزن ہیں وہ حدودِ الہی کو معطل و بیکار کر رہے ہیں اور اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع کر رہے ہیں، اور ﴿انہوں نے﴾ اپنی قوت و طاقت کو ضعیف کر رکھا ہے، یہ اُس شخص کے مشابہ ہیں جس کے پاس کسی ظالم و باطل کا مال ہے اور وہ عادل حکمران کو دینے سے انکار کرتا ہے۔ عادل حکمران اپنا دینی فرض ادا کرنا چاہتا ہے، اُس پر واجب نان و نفقہ ہے اُسے ادا کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً اہل و عیال، اقرباء اور غلاموں، چوپایوں، قریب کے رشتہ داروں پر جن کا نان و نفقہ اُس پر واجب ہے۔ اور مثلاً قاتل کے رشتہ داروں پر دیت واجب ہے، اُسے وصول کرنا۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے حقوق پر عادل حکمران خرچ کرنا چاہتا ہے اور یہ ﴿شخص﴾ اُس سے منع کرتا ہے، روکتا ہے۔ پس اس قسم کی تعزیر و عقوبت اُس شخص کو دی جائے جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے پاس ایسا مال یا جان موجود ہے جس کا دینا اور عادل حکمران کے سپرد کرنا ضروری ہے لیکن وہ نہیں دیتا اور حاضر نہیں کرتا جیسے کہ قطاع الطريق ﴿یعنی﴾ راہزن، ڈاکو اور چور آپس میں ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کیلئے یہ عقوبت و سزا ہے اور عقوبت و سزا اُن لوگوں کیلئے ہے جن کے متعلق معلوم اور ثابت ہو کہ وہ اس قسم کے مال کو یا جان کو وہ جانتے ہیں کہ کہاں رکھا ہوا ہے اور کہاں چھپا ہوا ہے؟

لیکن اگر وہ اس لئے خبر نہیں دیتا یا حاضر نہیں کرتا کہ خود طالب اس پر تعدی اور ظلم کرے گا تو ایسا شخص محسن ہوگا اور وہ نیک کام کر رہا ہے لیکن اس کا امتیاز مشکل اور دشوار ہے کہ ناجائز حمایت کون سی ہے اور جو ظلم و تعدی سے بچنے کے لئے حمایت کی جاتی ہے وہ کونسی ہے؟ اس میں شبہ اور شہوت دونوں جمع ہوتے ہیں اور دونوں کا امکان موجود ہے۔ اس وقت حاکم کا فرض ہے کہ حق و باطل میں امتیاز حاصل کرے۔ اکثر ایسا روسا ﴿سرداروں﴾، دیہات اور شہر کے امراء میں ہوتا ہے۔ جب کوئی پناہ گیر ان کے پاس پہنچتا ہے اور پناہ مانگتا ہے یا کوئی قرابت دار پناہ مانگتا ہے یا کوئی دوست و احباب میں سے پناہ چاہتا ہے تو اُن کی رگ حمیت بھڑک اٹھتی ہے اور حمیت جاہلیہ اور اُوباش لوگوں میں عزت و رسوخ اس گناہ پر انہیں برا سمجھتے اور آمادہ کر دیتا ہے اور وہ ان کی حمایت و نصرت کے لئے آستینیں چڑھا لیتے

••••• حکمران پیور کرسی اور عوام ••••• 126 •••••

ہیں۔ اگرچہ وہ ظالم اور مظلوم دونوں کے حقوق پامال کر رہے ہیں خصوصاً جبکہ مظلوم کوئی رئیس و امیر ہو۔ جو ان کے ہم پلہ ہو تو مستحیر و پناہ گیر کو سپرد کرنا اپنے لئے عار اور موجب غیرت سمجھتے ہیں اور اپنی ذلت و توہین تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھنا اور ایسا تصور کرنا علی الاطلاق محض جاہلیت ہے اور ایسے لوگ ہی دین و دنیا کے فساد اور تباہی و بربادی کا بڑے سے بڑا سبب ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ جاہلیت کی اکثر لڑائیاں اسی سبب سے ہوئی ہیں مثلاً ”حرب اللبسوس“ جو بنی بکر اور بنی تغلب میں ہوئی، اسی قسم کے تعصب اور اسی قسم کی عصبیت کی وجہ سے ہوئی ہے اور اسی قسم کی ”عصبیت“ جاہلیت تھی جس کی وجہ سے ترک اور تاتاری دارالسلام میں داخل ہوئے اور ماوراء النہر اور خراسان وغیرہ کے سلاطین اور بادشاہوں پر غلبہ و اقتدار پایا۔ اور یہی عصبیت جاہلیہ تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے مسلمانوں کے ملک پر غلبہ و اقتدار حاصل کیا اور ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور اس قسم کے طبقہ کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جو شخص اللہ کے لئے اپنی جان کو ذلیل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے عزت دیتا ہے جو شخص حق و انصاف کرتا ہے اور اپنی جان کو ہیچ سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے عزت و اکرام سے نوازتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم الخلق وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ اور جو شخص ظلم و جور کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتا ہے اور حق کو پامال کرتا ہے وہ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل کرتا ہے وہ خود اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتا ہے، اپنی جان کو رسوا کرتا ہے اور اپنی توہین خود کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا (فاطر: ع: 2)

جو شخص عزت کا خواہاں ہے تو عزت ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔

يَقُولُونَ لَنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَ الْأَعْرَضُ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ

وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (منافقون ع: 1)

یہ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔ حالانکہ اصل عزت اللہ کی اور اس کی رسول کی اور مسلمانوں کی ہے مگر منافق

اس بات سے واقف نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ
وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ
بِالْأَيْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادِ (بقرہ: ع: 25)

اے پیغمبر! بعض آدمی بھی ایسے ہیں جن کی باتیں تم کو دنیا کی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی
ہیں اور وہ اپنے دلی ارادے پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب
سے زیادہ جھگڑالو ہیں اور وہ جب لوٹ کر جائیں تو ملک میں دوڑتے پھرتے ہیں تاکہ اس
میں فساد پھیلانیں اور کھیتی باڑی کو اور آدمیوں اور جانوروں کی نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد
کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور ان کو گناہ میں پھنسا
دیتا ہے پس ایسے لوگوں کو جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پس واجب اور فرض ہے کہ جس کے پاس مستحیر اور پناہ گیر پناہ کیلئے آئے وہ دیکھ لے اور تحقیق کر
لے کہ واقعی وہ مظلوم ہے۔ اگر وہ مظلوم ہے تو اُسے پناہ دے۔ اور مظلوم ہونا، صرف دعوے کرنے سے
کہ میں مظلوم ہوں، ثابت نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ایک شخص ظالم ہوتا ہے اور وہ اپنے کو مظلوم بتاتا ہے
اس لئے خصم ﴿یعنی وارثوں﴾ سے دریافت کرے، دوسروں ﴿لوگوں﴾ سے معلوم کرے اور پوری
تحقیق کرے۔ اگر تحقیق سے ثابت ہو کہ واقعی وہ مجرم ہے، ظالم ہے تو حکومت کے سپرد کر دے۔ اور ظلم
سے اُسے روکے۔ اخلاق اور نرمی سے سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائے اور اگر صلح ممکن ہو دونوں میں صلح و
آتش کرادے۔ اگر عدل و انصاف کے ساتھ حکم و منصف کے ذریعہ فیصلہ ممکن ہو تو اسکی کوشش کی
جائے۔ اگر یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے تو قوت و طاقت سے کام لے۔

اگر معاملہ ایسا ہے کہ دونوں فریق ظالم ہیں اور دونوں مظلوم بھی ہیں جس طرح کہ نفس پرست،

••••• حکمران پیوروکریسی اور عوام ••••• 128 •••••

خواہشات کے پجاری ہوا کرتے ہیں، جیسے کہ قیس و یمن کے قبیلے۔ اور اکثر شہری اور دیہاتی دعویدار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یادوں فریق ظالم نہیں ہیں بلکہ کسی شبہ یا تاویل یا غلطی کی وجہ سے باہم الجھ گئے ہیں، اگر ایسا ہے تو اس کی اصلاح کرے یا حکم ﴿وَج﴾ بنا کر فیصلہ کر لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ أَحَدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (حجرات: 1)

اور اگر تم مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صلح کرادو۔ پھر ان میں ایک فرقہ اگر دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اُس سے تم لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع لائیں۔ پھر جب وہ رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کو ملحوظ رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا. (نساء ع 17)

ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں مگر ہاں جو خیرات یا نیک کاموں میں یا لوگوں میں میل جول کی صلاح دے اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایسے نیک کام کرے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 129 •••••

اور امام ابو داؤد اپنی سنن میں رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ بھی عصیت جاہلیہ ہے کہ ایک شخص حق بات پر اپنی قوم اور قبیلے کی نصرت و اعانت کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“۔ اور فرمایا:

وَلَكِنْ مِنَ الْعَصِيَّةِ أَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ فِي الْبَاطِلِ. (رواہ ابو داؤد)

عصیت یہ ہے کہ آدمی باطل میں اپنی قوم کی اعانت و امداد کرے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خَيْرُكُمْ الَّذِ افْعَ عَنْ قَوْمِهِ مَا لَمْ يَأْتُمْ.

تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی قوم کی مدافعت کرے اور اس میں وہ گنہگار نہ ہو۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِي يَنْصُرُ قَوْمَهُ بِالْبَاطِلِ كَبْعِيرٍ تُرْدِي فِي بئرٍ فَهُوَ يَجْرُ بِذَنبِهِ.

جو شخص باطل پر اپنی قوم کی مدد کرتا ہے وہ مثل اُس اونٹ کے ہے جو کنوئیں میں گر پڑا اور

اپنی دم ہلارہا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَمِعْتُمُوهُ يَتَعَزَّى بِعِزِّ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَعِصُوهُ هُنَّ اَبِيْهِ وَلَا تَكُونُوا.

جس شخص کے متعلق تم سنو کہ اس نے جاہلیت کا جھنڈا بلند کیا ہے تو اُسے جڑ سے اُکھاڑ

پھینکو کہ وہ پھولنے پھلنے نہ پائے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ بات جو دعوتِ اسلام اور دعوتِ قرآن سے خارج ہے، اب خواہ وہ نص

کے اعتبار سے ہو، شہر اور آبادی کے لحاظ سے ہو یا جنس اور قوم یا مذہب کے اعتبار سے ہو۔ یا کسی

دوسرے اعتبار سے ہو، وہ جاہلیت ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ جاہلیت کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ بلکہ

ایسا ہے جیسا کہ وہ آدمی مہاجر اور انصار میں باہم لڑ پڑے تو مہاجر پکاراٹھا یا لِلْمُهَاجِرِينَ! اور انصاری

پکاراٹھا یا لِّلْأَنْصَارِۖ اور رسول اللہ ﷺ کو کہنا پڑا:

ءَابِدُ عَوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهَرِ كُمْ .

کیا تم دعوائے جاہلیت لے کر کھڑے ہو گئے اور ابھی تو میں تمہاری پشت پر ہوں۔

اور آپ ﷺ ان پر سخت ناراض ہوئے اور غصہ کا اظہار فرمایا۔

باب 13 (Chapter) کے مضامین

چوری کی شہادت۔ یا اس کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو بلاتا خیر قید میں نہ رکھتے

ہوئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ فدیہ وغیرہ لے کر نہ چھوڑا جائے۔

چور کا ہاتھ کاٹنا فرض ہے اور یہ کتاب اللہ، کتاب الرسول ﷺ یعنی صحیح احادیث مبارکہ اور اجماع

امت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَ نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ وَمَنْ تَابَ مِّنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ . (مائندہ. ع: 6)

مسلمانو! مرد چوری کرے تو۔ اور عورت چوری کرے تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ

تعزیر اللہ کی جانب سے قرار پائی ہے اور اللہ زبردست واقف ہے تو جو اپنے قصور کے بعد

توبہ کر لے اور سنوارے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان

ہے۔

جب شہادت، گواہوں یا اُس ﷺ چور کے اقرار سے چوری ثابت ہو جائے تو اُس پر حد جاری

کرنے میں کسی قسم کی تاخیر جائز نہیں نہ اُسے قید میں رکھا جائے نہ کسی قسم کا فدیہ یعنی ضمانت یا ضمانت

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 131 •••••

قبل از گرفتاری کے مچکے ﴿لے کر اُسے چھوڑا جائے۔ اور خاص و معظم وقت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے کیونکہ حد قائم کرنا عبادات میں داخل ہے جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ عبادات میں داخل ہے۔ اور یہی سمجھا جائے کہ حد جاری کرنا بندوں کے حق میں ایک بہت بڑی رحمت و رافت ہے۔ پس والی ﴿یعنی حج﴾ اور حاکم ﴿وقت﴾ حد جاری کرنے میں سخت گیر ہونا چاہیئے کہ وہ کسی قسم کی رحمت و رافت سے کام نہ لے اور حد کو معطل نہ کرے۔ اور اس کا قصد و ارادہ یہ ہونا چاہیئے کہ میں حد اس لئے جاری کر رہا ہوں کہ یہ اللہ کی مخلوق پر رحمت و رافت ہے اور منکرات ﴿برائیوں﴾ سے لوگوں کو روک رہا ہوں۔ غصہ کی آگ بجھانا، اللہ کی مخلوق پر اپنی بڑائی اور بلندی جتلا نا مقصود نہ ہو، جس طرح کہ باپ اپنے بیٹے کو ادب دیتا ہے، ادب سکھاتا ہے۔ اگر وہ اپنے لڑکے، لڑکی کی تادیب ﴿یعنی سرزنش﴾ سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے اور اُس کی ماں کے حوالہ کر دیتا ہے اور اس کی ماں رقتِ نفس اور رافتِ قلب کی وجہ سے ایسا برتاؤ کرتی ہے کہ لڑکا بالکل خراب ہو کر رہ جاتا ہے۔ باپ اُس کو ادب سکھاتا ہے، اُس کی اصلاح چاہتا ہے اور یہ عین رحمت و رافت ہوتی ہے، لڑکے کی اصلاح ہے۔ اس کی عین خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تادیب ﴿سرزنش﴾ ایسی ہو جائے کہ پھر کبھی وہ سر نہ اٹھائے اور دوسری مرتبہ ادب سکھانے کی ضرورت نہ رہے۔

اور ﴿حد جاری کرنا﴾ بمنزلہ اُس طبیب کے ہے جو مریض کو کریہہ اور کڑوی دوا دیتا ہے۔ یا بمنزلہ اس عضو کے ہے جو سڑ رہا ہے اور اُسے کاٹنے سے وہ خود بچ جاتا ہے۔ یا بمنزلہ کچھنے لگانے کے ہے کہ رگوں کو اس لئے زخمی کیا جاتا ہے کہ اُسے آرام ملے۔ یا بمنزلہ فصد کھولنے کے ہے بلکہ بمنزلہ اُس انسان کے ہے جسے کریہہ اور کڑوی دوا پلانے کے لئے مشقت برداشت کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ مریض کو شفا اور آرام ملے اور اُسے راحت میسر آئے۔ یہی حال حدود جاری اور قائم کرنے کا ہے۔ محدود ﴿جس پر حد نافذ کی گئی اس﴾ کو راحت ملے، حدود مشروع اسی لئے کی گئی ہیں کہ محدود کو دنیا و عقبیٰ میں آرام و راحت میسر آئے۔

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام 132 •••••

حدود جاری کرنے میں والی ﴿قاضی و جج﴾ اور حاکم ﴿وقت﴾ کی نیت، ارادہ اور قصد یہی ہونا چاہیئے کہ رعایا کی اصلاح ہو اور منکرات سے روکا جائے مخلوق اللہ کے لئے جلب منفعت اور دفع مضرت مقصود ہو اور ﴿حد جاری کرنے والا﴾ حق سبحانہ و تعالیٰ سے حدود قائم اور جاری کرنے میں اللہ کی رضا مندی و رضا جوئی اور وجہ اللہ کا قصد و ارادہ رکھے، اس کے حکم کی اطاعت و پیروی کا قصد و ارادہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے قلوب کو نرم کر دے اور محدود ﴿جس پر حد جاری کی گئی اس﴾ کیلئے اسباب خیر جمع کر دے اس کے لئے جو عقوبت و سزا اور شرعی حد قائم کی گئی وہ اس کے لئے کافی ہو، وہ اس سے راضی رہے کہ اس کی تطہیر ہو رہی ہے ایسا سمجھنا اور اس طرح حد جاری اور نافذ ہونا اللہ کا عین فضل و کرم ہے۔

جب حد نافذ کرنے والے حاکم و قاضی یا جج کی نیت خراب ہو، اس کی غرض علوٰ اور بڑائی ہو اور وہ اپنی ریاست و حکومت ﴿کرتسی صدارت وزارت یا چیف جسٹسی﴾ قائم کرنا چاہے کہ لوگ اُسے بڑا سمجھیں، اُس کی اطاعت کے سامنے لوگ سر بسجود ہو جائیں، اس کے قصد و ارادہ کے بموجب مال دیں اور ہر طرح کا ایثار کریں تو معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ اس کے اصل مقصد سے بہت دور ہو جاتا ہے اور سر اسر حد جاری کرنے کے مقصد میں وہ غلاف راہ اختیار کرتا ہے۔

اور روایت کی گئی ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلافت پر مامور ہونے سے پہلے مدینہ طیبہ میں ولید بن عبدالملک کے نائب ﴿یعنی گورنر﴾ تھے۔ رعایا اور عوام کی سیاست و اصلاح بہت اچھی طرح کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف عراق سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ عراق میں یہ بڑا عذاب اور سختی دیکھ کر آیا ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ کے باشندوں کو اس نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا ”کیف ہیبة فيکم“؟ اس کی ہیبت تم میں کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا: ان کی ہیبت کا کیا پوچھنا! ہم اُن کی طرف نگاہ بھر کے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ حجاج نے پوچھا ”کیف محبتکم لہ“؟ اُس سے تمہیں کیسی محبت ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: ”هو احب الينا من اهلنا“ وہ ہمیں ہمارے اہل و عیال سے زیادہ محبوب ہیں۔ حجاج نے پوچھا ”فکیف ادبہ فيکم“ وہ تمہیں ادب کیسے سکھاتے ہیں؟ تو اُنھوں نے

••••• 133 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

کہا تین کوڑوں سے لے کر دس کوڑوں تک ادب سکھانے کیلئے مارا کرتے ہیں۔ حجاج نے کہا یہ محبت، یہ ہیبت اور یہ ادب آسمان سے اُتری ہوئی ہے، اللہ کا حکم یہی ہے۔

جب ہاتھ کاٹا جائے تو فوراً گرم تیل میں سینک دیا جائے۔ اور مستحب یہ ہے کہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے۔ اگر دوسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اور اگر تیسری مرتبہ چوری کرے تو صحابہ اور بعد کے علماء میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ میں بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ یہ قول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور مذہب شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول امام احمد رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ اُسے قید کر دیا جائے۔ اور یہ قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور کوفیوں کا ہے۔ اور ایک قول امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی ہے۔

ہاتھ اس وقت کاٹا جائے جبکہ چوری کا نصاب پورا ہو اور وہ ایک چوتھائی دینار یا تین درہم ہے۔ جمہور علماء اہل حجاز اور اہل حدیث کا یہی مسلک ہے۔ مثلاً امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ اور بعض علماء کا قول ہے: قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ایک دینار یا دس درہم ہے۔ اور صحیحین میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مجن (ڈھال) کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

قَطَعَ سَارِقًا فِي مَجْنٍ قِيمَتُهُ ثَلَاثَةَ دِرَاهِمٍ. (رواہ مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی ایک چور کا ہاتھ کاٹا۔ اور اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَطْعُ الْيَدِ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا

چوتھائی دینار یا اس سے زائد میں ہاتھ کاٹا جائے۔

مسلم کی روایت یہ ہے:

لَا تَقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا

چور کا ہاتھ اُس وقت تک نہ کاٹا جائے جب تک کہ ربع ﴿1/4﴾ دینار یا زائد نہ چرائے

بخاری کی ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اقْطَعُوا فِي رُبْعِ دِينَارٍ. وَلَا تَقْطَعُوا فِيمَا دُونَ مِنْ ذَلِكَ

ربع (چوتھائی) دینار میں ہاتھ کاٹو، اس سے کم میں نہ کاٹو۔ (رواہ البخاری)

اس وقت ربع دینار کی قیمت تین درہم کے برابر ہوا کرتی تھی اور دینار کی قیمت بارہ درہم ہوا کرتی تھی۔

اور چور کو اس وقت تک چور نہیں کہا جاتا تھا کہ مال حفاظت میں رکھا ہوا نہ چرائے۔ جو مال کہ

ضائع شدہ ہے، یا جنگل میں بلا احاطہ اور چار دیواری کے اس میں درخت لگے ہیں اور اس پر سے پھل

پھول لئے جائیں یا جو چوپایہ بغیر چوپان کے ہو، اس کے مثل میں ہاتھ نہ کاٹا جائے لیکن لینے والے کے

لئے تعزیر ضرور ہوگی۔ اور دو چند نقصانی دلوائی جائے گی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

اور اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ زیادتی کتنی دلوائی جائے۔ اور یہی قول امام احمد وغیرہ کا

ہے۔ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے:

لَا قَطْعَ فِي ثَمَرَةٍ وَلَا كَثْرَ (رواہ اہل السنن)

پھل میں اور پکی کھجور میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور عمرو بن شعیب والد سے، دادا سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے قبیلہ بنی مزینہ کے ایک

آدمی کو رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھتے سنا ہے: يَا رَسُولَ اللَّهِ جِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنِ الضَّالَّةِ مِنَ

الْإِبِلِ فِي اس لَئِي آيَاهُنَّ كَآپ سَے گم شدہ اونٹ کے متعلق پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَعَهَا حِدَائُهَا وَسَقْنُهَا تَأْكُلُ الشَّجَرَةَ وَتَرُدُّ الْمَاءَ فِدْعُهَا حَتَّى يَأْتِيَهَا بِأَعْيِهَا.

اس کے ساتھ اس کے کھانے پینے کا سامان موجود ہے، درخت کھائے گا اور پانی پر اترے

گا، اُسے چھوڑ دو تا کہ اس کو ڈھونڈنے والا اس تک آجائے۔

اس نے کہا:

فَا الضَّالَّةِ مِنَ الْغَنَمِ

گمشدہ بکری کے متعلق کیا ارشاد ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

لَكَ أَوْ لَا خِيكَ أَوْ لِلذَّنْبِ تَجْمَعُهَا حَتَّى يَأْتِيَهَا بَاغِيهَا

تیرے لئے ہوگا یا تیرے بھائی کیلئے یا بھیڑیے کے لئے۔ اسے تم لے لو یہاں تک کہ اس کا تلاش کرنے والا آجائے۔

اس نے کہا:

فَالْحَرِيسَةُ الَّتِي تُوْخَذُ مِنْ مَرَاتِعِهَا

حریسہ جو چرواہے سے لیا جائے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

فِيهَا ثَمْنُهَا مَرَّتَيْنِ وَضَرْبُ نَكَالٍ وَمَا أَخَذَ مِنْ عَطْنِهِ فَفِيهِ الْقَطْعُ إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ ثَمَنَ الْمَجْنِ

حریسہ میں دوچند قیمت اور تعزیر کی جائے اور جو اون اس سے لی جائے تو دیکھا جائے اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچے تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے۔

اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اگر پھل پھول لئے ہوں تو؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَخَذَ مِنْهَا بِفَمِهِ وَلَمْ يَتَّخِذْ خُبْنَةً فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ احْتَمَلَ فَعَلَيْهِ ثَمْنُهُ مَرَّتَيْنِ وَضَرْبُ نَكَالٍ. وَمَا أَخَذَ مِنْ أَجْرَانِهِ فَفِيهِ الْقَطْعُ إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ ثَمَنَ الْمَجْنِ وَمَا لَمْ يَبْلُغْ ثَمَنَ الْمَجْنِ فَفِيهِ غَرَامَةٌ مِثْلِيهِ وَ

جَلَدَاتُ نِکَالٍ (رواہ اہل السنن)

جس شخص نے اس میں سے اپنے منہ سے لیا، اور خوشہ نہیں لیا تو اس پر کچھ نہیں اور اگر کچھ اپنے ہمراہ لے گیا تو دو چند قیمت اور تعزیر ہوگی۔ اور جو بڑا خوشہ لے گیا تو اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹا جائے۔ اور اگر ڈھال کی قیمت کو نہیں پہنچتا تو دو چند نقصانی دلوائی جائے۔ اور اس پر کوڑوں کی تعزیر کی جائے۔

اور اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَيْسَ عَلَى الْمُتَنَهَبِ وَلَا عَلَى الْمُخْتَلِسِ وَلَا الْخَائِنِ قَطْعٌ
لوٹنے والے اور اچکے اور خائن کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

جیب کترے، رومال اور آستینوں سے ﴿یعنی جیبوں سے مال و دولت﴾ لے جائیں تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے۔

باب 14 (Chapter) کے مضامین

زانی کی سزا۔ شادی شدہ زانی کو پتھروں سے رجم کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔
لواطت کی سزا، فاعل و مفعول دونوں کو قتل کیا جائے۔

شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے یہاں تک کہ وہ مر جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز بن مالک الاسلمی اور غامدیہ عورت اور بعض یہودیوں کو رجم کرایا تھا۔ اور آپ ﷺ کے بعد بھی خلفاء راشدین اور مسلمانوں نے زنا کی سزا میں رجم کیا ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ رجم سے پہلے سو کوڑے لگائے جائیں پھر رجم کیا جائے؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں دو قول ہیں۔ اگر زانی شادی شدہ نہیں ہے تو کتاب اللہ سے ثابت ہے کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور سنت نبوی سے ثابت ہے کہ سو کوڑوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک

سال جلا وطن کیا جائے۔ اگرچہ بعض علماء سال بھر جلا وطن کرنا واجب نہیں کہتے۔

زانی پر اس وقت تک حد قائم نہ کی جائے جب تک چار گواہوں کی گواہی اس پر نہ گذرے یا چار دفعہ خود اقرار نہ کرے۔ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں چار دفعہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے، ایک دفعہ اقرار کر لینا کافی ہے۔ اگر کسی نے اقرار کر کے پھر انکار کر دیا تو بعض علماء کا قول ہے کہ حد اس سے ساقط ہو جائے گی اور بعض کہتے ہیں حد ساقط نہیں ہوگی۔

اور شادی شدہ اس شخص کو کہیں گے جو آزاد، مکلف ہو اور صحیح نکاح سے اپنی بیوی سے جماع و وطی کر چکا ہو، اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اور جس سے جماع و وطی کی گئی ہے، مذکورہ صفات میں مخصن کے مساوی ہے یا نہیں، اس میں علماء کے دو قول ہیں، عورت مرابقتہ ﴿﴾ ہو، اور بالغ مرد سے زنا کیا ہو۔ یا مرد مراہق ﴿﴾ ہو اور عورت بالغہ ہے۔

اور یہی حکم ذمیوں کا ہے۔ اگر وہ شادی شدہ ہوں تو اکثر علما کے نزدیک رجم کیا جائے گا۔ مثلاً امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مسجد کے دروازے کے سامنے یہودیوں کو رجم کرایا ہے۔ اور اسلام میں یہ پہلا رجم تھا۔

اگر کوئی عورت حاملہ پائی گئی اور اس کا شوہر نہیں ہے اور نہ اس کا سید و آقا ہے (یعنی وہ کسی کی لونڈی بھی نہیں)، اور حمل میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے، تو امام احمد وغیرہ کے مذہب میں اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس پر حد جاری نہیں جاسکتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زبردستی اس سے زنا کیا گیا ہو اور اس سے یہ حاملہ ہو گئی ہو۔ یا اُسے اٹھا کر لے گئے ہوں، یا بیوی کے شبہ کی بنا پر جماع کیا گیا ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد جاری ہوگی اور یہی قول خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے۔ اور اصول شریعت کے موافق یہی ہے۔ اور یہی مدینہ والوں کا مذہب ہے۔ کیونکہ یہ شاذ و نادر احتمالات ہیں۔ اور شاذ و نادر احتمالات کی طرف توجہ نہیں کی جاسکتی جیسے کہ اس نے اقرار کیا اور وہ اپنے

اقرار میں جھوٹا ہو۔ یا گواہوں کی گواہی جھوٹی ہو۔

لوٹی اور لواطت کی سزا: بعض علماء کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے پر حد جاری ہوگی۔ اور جو

زنا کی حد ہے وہ اس کی حد ہے۔ بعض کہتے ہیں لواطت (یعنی ہم جنس پرست جیسے لڑکے کے ساتھ دوسرا لڑکا، مرد کے ساتھ دوسرے مرد کے زنا) کی سزا زنا سے کم ہوگی۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ نیچے اور اوپر والے یعنی فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ کیونکہ سنن (نسائی و ابن ماجہ) میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ وَجَدَ تَمْوُهُ يَعْمَلُ عَمَلُ قَوْمٍ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ
جسے تم قوم لوط کا کام کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر کنوارا لوطی کسی عورت کے ساتھ پایا گیا تو اسے رجم کیا جائے گا۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے لیکن دوسرے صحابہ اس کے قتل میں مختلف ہیں۔ لیکن اس کی قسمیں بیان کرتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو جلانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور دوسرے صحابہ کہتے ہیں اسے قتل کیا جائے۔ بعض کہتے ہیں اس پر دیوار گرائی جائے کہ عمارت کے نیچے دب کر مر جائے۔ اور بعض کہتے ہیں اسے ایسی بدبودار اور خراب جگہ میں قید کیا جائے کہ وہ مر جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ آبادی میں سب سے اونچی دیوار اس پر سے اُسے گرایا جائے۔ اور پھر اوپر سے پتھر برسائے جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو سزا دی تھی۔ اور یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں مذکور ہے۔ اور دوسری روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ اسے رجم کیا جائے۔ اور اکثر سلف کا یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو رجم کیا اور زانی کی سزا رجم اس کی مشابہت کی بنا پر ہوئی ہے۔ اور فاعل و مفعول دونوں کو رجم کیا جائے۔ خواہ دونوں کے دونوں آزاد ہوں یا غلام۔ یا ایک دوسرے کا مملوک ہو۔ جب وہ بالغ

••••• حکمران پیورو کرسی اور عوام 139 •••••

ہوں دونوں کی یہی سزا ہوگی۔ لیکن اگر فاعل یا مفعول دونوں میں سے ایک نابالغ ہے تو اسے قتل سے کم سزا دی جائے گی۔ اور بالغ کو قتل کیا جائے گا۔

باب 15 (Chapter) کے مضامین

شراب نوشی کی حد سنت نبوی اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے جو شراب پئے اُسے کوڑے لگوانا چاہیئے۔ پھر پیئے پھر کوڑے لگوانا چاہیئے۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے شرابی کو بار بار کوڑے لگوائے۔ اور آپ ﷺ کے خلفاء اور مسلمانوں کا اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔

شراب نوشی کی حد: شراب نوشی کی حد سنت نبوی اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔ اہل سنن (یعنی امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ دونوں) نے مختلف وجوہ اور مختلف طریقوں سے روایتیں کی ہیں۔ جن میں اس کی وضاحت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ فَاجْلِدُوهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ فَاجْلِدُوهُ
ثُمَّ اِنْ شَرِبَ الرَّبْعَةَ فَاقْتُلُوهُ

جو شخص شراب پیئے، اُسے کوڑے لگاؤ۔ پھر پیئے پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر پیئے پھر کوڑے لگاؤ۔
پھر چوتھی مرتبہ پیئے تو اُسے قتل کر دو۔

نبی کریم ﷺ نے بہت سی مرتبہ شراب پینے والوں کو کوڑے لگانے کی سزا دی ہے۔ اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں نے بھی کوڑوں کی سزا دی ہے، اور اسی بنا پر اکثر علماء کہتے ہیں کہ قتل کی سزا منسوخ ہو چکی ہے۔ بعض کا قول ہے یہ سزا محکم ہے۔ بعض کہتے ہیں قتل کرنا ایک تعزیر تھی۔ اگر امام ضرورت سمجھے تو یہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ شراب نوشی کی سزا میں آپ ﷺ نے چالیس لکڑیاں اور

جوتے لگوائے ہیں۔ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے لگوائے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اسی کوڑے لگوائے ہیں۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی چالیس اور کبھی اسی کوڑے لگوائے ہیں۔ اور اسی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ اسی کوڑے لگوانا واجب ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چالیس کوڑے لگوانا واجب ہے، اس سے زیادہ سزا امام کی رائے پر موقوف ہے جبکہ لوگ شراب کے عادی ہو گئے ہوں۔ اور چالیس کوڑوں سے تنبیہ نہ ہوتی ہو، یا اس کے مثل کوئی اور وجہ ہو تو چالیس سے زیادہ اسی کوڑے لگوائیں۔ اگر پینے والے کم ہیں یا اتفاقاً کسی نے پی لی ہے تو چالیس کوڑے کافی ہیں۔ اور یہ قول زیادہ مناسب اور زیادہ اوفق ہے۔ اور یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں شراب نوشی کے واقعات زیادہ آنے لگے تو انہوں نے سزا زیادہ کر دی۔ بعض کو جلا وطن کیا۔ بعض کا سر منڈوا کر ذلیل کیا۔ تو یہ زبرد و تیغ کی مبالغہ آمیز سزا تھی۔ اگر شرابی کو تعزیر چالیس کے بعد چالیس کوڑوں کے اوپر کرنی ہو تو اس کی روٹی بند کر دی جائے۔ اور اسے جلا وطن کیا جائے تو اچھا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ آپ کے بعض نائب شراب کی تعریف میں اشعار کہہ رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا۔

جس شراب کو نبی کریم ﷺ نے حرام فرمایا، اور جس کے پینے پر کوڑے لگوائے وہ ایسی شراب ہے جو شہ لائے خواہ وہ کسی چیز سے بھی بنائی گئی ہو۔ پھلوں سے بنائی گئی ہو جیسے انگور، کھجور اور انجیر وغیرہ یا انانج سے بنائی گئی ہو جیسے گندم اور ”جو“ وغیرہ سے۔ یا پتلی بننے والی چیزوں سے بنائی گئی ہو جیسے شہد وغیرہ۔ یا جانوروں کے دودھ سے بنائی گئی ہو۔ ہر قسم کی شراب اسی حرمت میں داخل ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ پر تحریم شراب کے متعلق جب قرآن اُترا تو اُس وقت مدینہ طیبہ میں انگور کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ شام وغیرہ سے انگور آیا کرتے تھے۔ عام طور پر عرب میں نبیذ تمر (یعنی کھجور) کی شراب ہوا

••••• 141 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

کرتی تھی۔ کھجور وغیرہ سے عرب شراب بنا لیتے تھے۔ اور عام طور پر جو سنت متواترہ اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ہرنشہ آور چیز (خواہ چرس و انیون ہو یا ہیر و ن، مارفین ہو یا کوکین۔ یا صہ بونڈ جسے ہیر و نچی سوگھ سوگھ کر نشہ کرتے ہیں) حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہرنشہ آور چیز کو جو عقل کو بیکار کر دے، حرام کر دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھا نبیذ تمر (یعنی انگور کا شربت) پیا کرتے تھے اور اس کی ترکیب یہ تھی کہ کھجور یا انگور کو پانی میں ڈال دیا جاتا۔ اور نبیذ اس لئے پیا کرتے تھے کہ حجاز میں پانی عام طور پر کھاری ہوا کرتا ہے۔ نبیذ کا پینا نشہ آور ہو جانے سے پہلے جائز ہے۔ اور عام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اس لئے کہ اس میں نشہ نہیں ہے جیسے کہ انگور کا عصا رہ نشہ آور ہونے سے پہلے پینا جائز ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے لکڑی کے برتنوں یا کپکے قلعی والے (روغنی اور پیتل، سلور، اسٹیل وغیرہ کے) برتن میں نبیذ بنانا منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے برتنوں میں جو کچے ہوں اور جن کا منہ باندھا جائے اس میں نبیذ بنانے کا حکم فرمایا تھا۔ کیونکہ ان برتنوں میں اگر نشہ آور ہو جائے تو پتہ لگ جاتا ہے۔ اور کپکے قلعی دار برتنوں میں پتہ نہیں چلتا۔ کچے برتن نشہ آور ہونے سے پھٹ جاتے ہیں اور قلعی دار نہیں پھٹتے۔ اور پینے والے کو دھوکہ ہو جاتا ہے۔

اور آپ ﷺ سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے قلعی دار کپکے برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت و رخصت بعد میں دے دی تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْإِنْبَادِ فِي الْأَدْعِيَةِ فَانْتَبَذُوا وَلَا تَشْرَبُوا الْمُسْكِرَ

میں نے تمہیں قلعی دار برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کر دی تھی لیکن تم ان میں بناؤ نشہ

آور ہو جائے تو مت پیو۔

اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے علماء میں اختلاف رہا جن کو اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوا؛ یا جن کے نزدیک ان برتنوں میں نبیذ بنانا ثابت نہیں ہے، انہوں نے کہہ دیا کہ نبیذ ان برتنوں میں بنانا منع ہے۔

اور بعض جو اس ثبوت کے قائل تھے، اور سمجھ رہے تھے یہ منسوخ ہو چکا ہے، وہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔ جب فقہاء کے ایک گروہ نے سنا کہ بعض صحابہ نبیذ پیا کرتے تھے تو وہ یہ سمجھے کہ نشہ آور پیتے تھے۔ اور اس لئے انہوں نے مختلف قسم کی شرتیں پینے کی اجازت دے دی جو انگور اور کھجور وغیرہ سے بنی تھی۔ اور نبیذ تمر (یعنی کھجور) اور کشمش کے عصا رہ کی اجازت دے دی، جب تک کہ نشہ آور نہ ہو جائے۔ اور صواب و صحیح جس پر جمہور مسلمان متفق ہیں وہ یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر (یعنی شراب وغیرہ حرام) ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری ہوگی اگرچہ ایک قطرہ بھی پی لے۔ خواہ دوا کی حیثیت سے بھی کیوں نہ پیئے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر خمر (شراب) کے سوا کوئی دوا نہیں ہے تو (کیا کیا جائے) آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهَا دَاءٌ وَلَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ أُمَّتِي فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْهَا

یہ بیماری ہے، دوا نہیں ہے اور میری امت کی شفاء حرام میں نہیں ہے۔

شراب خوار پر حد واجب ہو جاتی ہے جبکہ اس پر گواہ اُتریں یا شرابی خود شراب پینے کا اقرار کر لے۔ اگر خمر و شراب کی بدبو آئے یا لوگوں نے اُسے قے کرتے دیکھا یا اس کے مثل دوسرے آثار دیکھے جائیں تو کہا گیا ہے اس پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ یہ احتمال ہے یہ خمر (شربت) نشہ آور نہ ہو یا لا علمی سے اس نے (شراب) پی لی ہو یا زبردستی اُسے پلائی گئی ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ اسے کوڑے لگوائے جائیں گے جبکہ معلوم ہو جائے (کہ وہ شربت و شراب) نشہ آور تھی۔ اور یہ قول خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان سیدنا علی اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے۔ اور سنت نبوی ﷺ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور لوگوں کا تعامل (و عمل) بھی یہی ہے اور یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا ہے اور انہوں نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔

اور انگور اور کھجور کے پتوں کو پکا کر جو مشروب تیار کیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ اس کے پینے

••••• 143 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

والے کو کوڑے لگوائیں جائیں گے۔ یہ تو خمر و شراب سے بھی زیادہ خبیث ہوتا ہے کہ اس سے عقل اور مزاج دونوں خراب ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس سے خنثی بن جاتا ہے اور دیوثیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور شراب زیادہ خراب اور خبیث اسی لئے ہے کہ اس سے مخاصمت (یعنی لڑائی) اور مقاتلت (یعنی قتل و غارت گری) ہوتی ہے۔ لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جس طرح وہ اللہ کے ذکر سے روکتی ہے، نماز سے بھی روکتی ہے۔

بعض متاخرین فقہاء نے اس کی حد میں توقف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حد سے کم تعزیر کی جائے کیونکہ اس سے تغیر عقل کا گمان ہے اور یہ بمنزلہ بھنگ پینے کے ہے۔ اور متقدمین علماء سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ثابت نہیں ہے حالانکہ یہ گھاس اور پتے ایسے نہیں ہیں بلکہ اس کے کھانے والے شوق اور خواہش سے اُسے کھاتے ہیں اور یہ آرزو رکھتے ہیں کہ اور بھی ہوں تو کھالیں۔ جیسے شراب اور خمر کا شوق خواہش اور آرزو رکھتے ہیں اور اس کی وجہ سے اکثر ذکر الہی میں خلل آ جاتا ہے۔ اور جب اس کی کثرت ہوتی ہے تو نماز میں بھی خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیوثیت، اور خنثی پن اور فسادِ مزاج، فسادِ عقل وغیرہ میں بھی اس سے خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ جامد ہوں اور کھائے جاتے ہوں، شراب کی قسم سے نہ ہوں تو اس کے نجس ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس میں تین قول ہیں؛ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس ہے جیسے شراب نجس ہے۔ اور یہی قول صحیح ہے اور قابل اعتبار ہے۔ بعض کہتے ہیں: کیونکہ اس میں جمود ہے اس لئے نجس نہیں ہے۔ اور بعض نے جامد اور پتلا پن میں فرق کیا ہے۔ بہر حال! یہ بھی اس میں داخل ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے کیونکہ لفظاً اور معنی یہ خمر شراب اور مسکر یعنی نشہ آور چیز ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں آپ دو قسم کی شراب کے متعلق فیصلہ دیجئے جسے ہم یمن میں تبع اور دانوں سے بناتے ہیں؛ تبع شہد سے بنتی ہے اور میزور جو وغیرہ (دانوں) سے بنتی ہے۔ جب اس میں

••••• 144 ••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

شدت پیدا ہو کر نشہ آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نبی اکرم ﷺ جوامع الکلم تھے آپ نے فرمایا:

کل مسکر حرام. (بخاری و مسلم)

ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان من الحنطة خمر او من الشعير خمر او من الزبيب خمر او من التمر خمر

ومن العسل خمر او انا انہی عن کل مسکر. (رواہ ابو داؤد وغیرہ)

شراب گیہوں سے بنتی ہے، ”جو“ سے بنتی ہے، کشمش سے بنتی ہے، کھجور سے بنتی ہے، شہد

سے بنتی ہے اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔

لیکن یہ روایت صحیحین کے اندر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور منبر نبوی ﷺ پر

کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:

الخمر ما خامر العقل.

خمر (نشہ آور چیز جیسے شراب، چرس، ہیرون وغیرہ) وہ ہے جو عقل کو بیکار کر دے۔

اور ایک روایت ہے:

کل مسکر خیار و کل خمر حرام.

ہر نشہ لانے والی چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔

یہ دونوں روایتیں امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں روایت کی ہیں۔

اور ائمہ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل مسکر حرام وما اسکر الفرق منه فملاء الکف منه حرام (قال الترمذی

حدیث حسن)

ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس سے مٹکا بھر پینے سے نشہ آئے اس کا ایک چلو بھی حرام

ہے۔

اور ارباب سنن (نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ) نے مختلف طریقوں سے روایت کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما اسکر کثیر فقلیلہ حرام .

جس کا کثیر (کثیر تعداد میں) پینے سے نشہ آئے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔

حفاظ حدیث نے اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ہماری سرزمین میں ذرہ (دانوں) سے جس کو میز رکھتے ہیں شراب بناتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

امسکر ہو؟

کیا وہ نشہ کرتی ہے؟

اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا:

کل مسکر حرام ان علی اللہ عہدا لمن شرب المسکر ان یسقیہ من طینۃ الخبال .

ہر مسکر نشہ آور حرام ہے اور جو شخص نشہ آور چیز پئے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اسے طینۃ الخبال پلائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ وما طینۃ الخبال ؟

اے اللہ کے رسول (ﷺ) یہ طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

عرق اہل النار . (رواہ مسلم فی صحیحہ)

یہ جہنمیوں کا پسینہ ہے۔

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کل مسکر خمر و کل مسکر حرام . (رواہ ابو داؤد)

شراب کی ہر قسم حرام ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور اس باب میں بے شمار احادیث مستفیضہ مروی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا کلام جو امع الکلم ہوتا تھا، تمام کو جمع کر دیا کہ ہر وہ چیز جو عقل میں فرق پیدا کر دے اور نشہ لائے حرام ہے خواہ وہ ماکول ہو یا مشروب۔

علاوہ ازیں خمر و شراب تو کبھی کبھی پکائی جاتی ہے اور گھاس، جڑی بوٹیاں تو پانی میں بھگو دی جاتی ہیں اور پی لی جاتی ہیں۔

پس خمر و شراب پی بھی جاتی ہے اور کھائی بھی جاتی ہے اور جب یہ نشہ آور ہے تو حرام ہے متقدمین نے اس کی خصوصیات کے متعلق بحث نہیں کی کیونکہ اس کی پیداوار 600ھ میں یا اس کے قریب قریب ہوئی ہے جس طرح کہ شراب کی بہت سی قسمیں نبی اکرم ﷺ کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور یہ سب کی سب ان جو امع الکلم کے اندر آگئیں جو کتاب و سنت کے اندر مذکور ہے۔

باب 16 (Chapter) کے مضامین

حد قذف ﴿زنا کی تہمت کی سزا﴾، محسن ﴿شادی شدہ مرد و عورت﴾ پر زنا کی تہمت لگانا۔ اور تہمت لگانے والے کو کوڑوں کی سزا۔

حد قذف ﴿زنا کی تہمت کی سزا﴾۔ جن حدود ﴿سزاؤں﴾ کے متعلق کتاب و سنت میں وارد ہے اور جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے حد قذف بھی ﴿انہی میں سے﴾ ہے جب کوئی شخص کسی

••••• 147 ••••• حکمران بیوروکریسی اور عوام

محسن ﴿شادی شدہ مرد یا عورت﴾ پر زنا کی ﴿تہمت﴾ یا لواطت کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر اسی کوڑوں کی حد ﴿یعنی سزا﴾ واجب ہوگئی۔

اور یہاں محسن کے معنی حر، آزاد، عقیف اور پاک دامن ﴿مرد و عورت﴾ کے ہیں۔ اور زنا کی حد کے موقع پر محسن کے معنی یہ ہیں کہ نکاح صحیح و تام سے اپنی بیوی سے وطی و جماع کیا ہو۔

باب 17 (Chapter) کے مضامین

جن معاصی اور گناہوں کی حد ﴿یعنی سزا﴾ مقرر اور مقرر نہیں ہوئی ہے، نہ اس کے لئے کفارہ ہے، ان میں عقوبت و سزا آزادی اور تعزیر اور عبرت اور تادیب والی ﴿یعنی قاضی و جج﴾ اور حاکم ﴿حکمران﴾ کی رائے پر ہے، حسب حال وہ سزا تجویز کرے۔

وہ معاصی اور گناہ جن میں کوئی مقرر اور مقرر حد نہیں اور نہ کفارہ ہے مثلاً کسی لڑکے کا بوسہ لینا یا اجنبی عورت کا بوسہ لینا، یا مباشرت بلا جماع و وطی کے کرنا، یا ایسی چیز کھانا جو حلال نہیں ہے مثلاً خون مسفوح یا مردار گوشت کھانا یا کسی پر زنا کے علاوہ کوئی جھوٹی تہمت لگانا۔ یا غیر محفوظ چیز کی چوری کرنا یا نصاب سے کم چیز چرائینی یا امانت میں خیانت کرنی جیسے بیت المال کے والی ﴿وزیر مال﴾ اور متولی ﴿خزانچی﴾ کیا کرتے ہیں یا وقف کے متولی ﴿نگہبان﴾ یا یتیم کے مال کے متولی ﴿نگہبان﴾ کیا کرتے ہیں اور مثلاً تجارت کے وکلاء ﴿یعنی ایجنٹ اور Rep﴾ اور شریک فی التجارت ﴿Partner﴾ خیانت کیا کرتے ہیں یا معاملہ میں دھوکہ کرنا یا مثلاً کھانے پینے کی چیزوں میں یا کپڑوں میں دھوکہ کرنا یا مثلاً ناپ و تول میں کم زیادہ کرنا یا جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی گواہی کی تلقین کرنا یا رشوت لینا یا اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف حکم دینا یا رعایا پر ظلم و زیادتی کرنا یا جاہلیت کا نعرہ بلند کرنا یا جاہلیت کے دعوے کو بلند کرنا وغیرہ یا محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرنا، ایسے لوگوں کی سزا بطور تعزیر یا عبرت یا ادب کے والی و حاکم ﴿یعنی قاضی و جج یا حکمران خود﴾ تجویز کرے گا۔ حاکم و والی گناہوں کی قلت و

کثرت دیکھتے ہوئے عقوبت و سزا تجویز کرے، جب معاصی اور گناہ زیادہ ہوں تو عقوبت و سزا بھی زیادہ ہونی چاہیئے۔ جب گناہ کم ہوں تو حسب حال گناہ کرنے والے کے سزا ہوگی۔

اور جب لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں اور گناہ کے مدمن اور عادی ہو جائیں تو عقوبت و سزا زیادہ کر دینی چاہیئے۔ جب فسق و فجور کم ہو تو عقوبت و سزا بھی کم ہونی چاہیئے۔

غرض! چھوٹے بڑے گناہ کے اعتبار سے عقوبت و سزا دینی چاہیئے۔ جو کسی ایک عورت یا ایک لڑکے سے چھیڑ چھاڑ کرے اُسے اس کے مقابلہ میں جو عوام طور پر عورتوں اور لڑکوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، کم سزا ہونی چاہیئے اور کم سے کم تعزیر کی کوئی حد مقرر نہیں کہ اتنی ہونی چاہیئے کیونکہ تعزیر کا مقصد تکلیف پہنچانا ہے۔ اب خواہ وہ ﴿تعزیر و سزا﴾ قول سے ہو یا فعل سے، اس سے بات چیت ترک کر دینے سے ہو یا پہلے کوئی سلوک کر رہا تھا اور کسی قسم کی رواداری کا برتاؤ کر رہا تھا ﴿اور اب﴾ اُسے ترک کرنے سے ہو۔ یا نصیحت و وعظ کے ذریعہ یا توبیخ و تنبیہ اور سختی سے ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اُسے تکلیف پہنچے اور تعزیر ہو جائے۔ کبھی یہ مقصد قطع تعلق اور علیک سلیک بند کر دینے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

غرض یہ کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اُسے تکلیف و تعزیر ہونی چاہیئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے تین صحابہ سے جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے علیک سلیک اور بات چیت بند کر دی تھی۔

اور والی و حاکم ﴿حکمران، وزیر مشیر، قاضی و جج، گورنر و سپہ سالار اور دیگر افسران﴾ سے کوئی جرم ایسا ہو جائے کہ اس میں حد مقرر نہیں ہے تو اُسے حکومت و ولایت ﴿یعنی عہدے﴾ سے معزول کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ کبھی تو فوجی و عسکری خدمات سے سبکدوش کرنے کی تعزیر ﴿و سزا﴾ کی جائے کہ وہ مسلمانوں کی فوجی و عسکری خدمات انجام دیتا تھا اس سے اس کو علیحدہ کر دیا مثلاً وہ فوج اور لشکر کہ کفار سے لڑ رہا تھا تلواریں آ منے سامنے چل رہی ہیں اور کوئی مسلمان فوج میں سے بھاگ نکلا کہ فرار من الزحف یعنی جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے اس کی روٹی اس کا کھانا پینا بند کر دینا ایک قسم کی تعزیر ہے۔

اسی طرح اگر امیر و حاکم سے کوئی ایسی حرکت ہو جائے جو بہت بڑی اور بہت بری سمجھی جاتی ہو اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں تو اُسے امارت و حکومت سے معزول کر دینا چاہیے۔ یہ اس کی تعزیر ہے۔

اسی طرح کبھی جس وقید کی تعزیر کی جائے اور کبھی اس کا منہ کالا کیا جائے اور اسے الٹے منہ گدھے پر سوار کیا جائے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی تعزیر آپ رضی اللہ عنہ نے ایسی کی تھی۔ اس لئے کہ جھوٹ بولنے والے نے جھوٹ سے اپنا منہ کالا کیا تو اس کا منہ کالا کیا گیا۔ اور بات کو مقلوب کر دیا تو اسے مقلوب الٹے منہ گدھے پر سوار کیا گیا اور اس کی تعزیر کی گئی۔

اور تعزیر ﴿یعنی سزا﴾ میں زیادہ سے زیادہ سزا یہ ہے کہ دس کوڑے مارے جائیں اس سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ بہت سے علماء اس کے قائل ہیں کہ تعزیر اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ حد کے درجہ کو پہنچ جائے۔ پھر اس تعزیر کے متعلق بھی ان علماء کے دو قول ہیں: بعض کہتے ہیں کہ تعزیر ادنیٰ حد و حد تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ حر ﴿یعنی﴾ آزاد آدمی کی حد ادنیٰ سے ادنیٰ چالیس کوڑے یا اسی کوڑے ہیں۔ تعزیر میں اتنے کوڑے نہیں لگانے چاہئیں۔ غلام کی تعزیر غلام کی ادنیٰ حد کے برابر نہیں ہونی چاہیے۔ غلام کی حد بیس کوڑے یا چالیس کوڑے ہیں تعزیر اس حد تک نہیں پہنچنی چاہیے۔

اور بعض کہتے ہیں آزاد شخص ہو یا غلام تعزیر غلام کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تعزیر آزاد کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیے اور غلام کی تعزیر غلام کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ جس جنس اور جن نوعیت کی تعزیر کی جائے اسی جنس اور اسی نوعیت کی عقوبت و سزا حد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً کوئی چور ایسی چیز چرائے جو حرز و حفاظت میں نہ ہو تو ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ دوسری تعزیر ﴿وسزا﴾ کی جائے اگرچہ یہ تعزیر حد قذف تک پہنچ جائے۔ اسے مار ماری جائے اگرچہ حد قذف سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو مثلاً کسی نے زنا سے کم فعل کیا بوسہ لیا یا ساتھ لے کر سوار ہایا اس قسم کی کوئی

••••• 150 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

دوسری حرکت کی تو اس کی تعزیر زنا کی حد کو نہیں پہنچ سکتی اگرچہ قاذف سے زیادہ ہوگی جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے منقش انگٹھی بنوائی تھی اور بیت المال سے کچھ لے لیا تھا اور انگٹھی میں لگایا تھا تو امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک دن سو کوڑے لگوائے، دوسرے دن سو کوڑے لگوائے اور تیسرے دن سو کوڑے لگوائے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن ایک مرد ایک اجنبی عورت کو ایک لحاف کے اندر لے کر سویا ہوا تھا تو دونوں کو سو سو کوڑے لگوائے تھے۔

اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کی باندی ﴿یعنی لونڈی﴾ سے خلوت کی، تو اگر اس کی بیوی نے اُسے خلوت کی اجازت دے دی تو اُسے سو کوڑے لگوائے جائیں گے اور خلوت کی اجازت نہیں دی ہے تو رجم کیا جائے گا۔ یہ تمام اقوال امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کی رو سے ہیں۔ اور پہلے دو قول امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب کی رو سے۔ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان میں حد نہیں ہے مگر تعزیر و سزا قتل کی بھی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے بعض شاگرد اس میں ان کے ہمنوا ہیں مثلاً مسلم جاسوس دشمنوں اور کفار سے ایسی جاسوسی کرے کہ مسلمانوں کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی تعزیر میں توقف کیا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور بعض حنابلہ مثلاً ابن عقیلی وغیرہ کہتے ہیں اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض حنابلہ مثلاً ابو یعلیٰ وغیرہ کہتے ہیں نہیں اُسے قتل نہیں کرنا چاہیے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر کوئی ایسی بدعت رائج کرے یا بدعت کو دعوت دے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے بہت سے شاگردوں کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے قدر یہ قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس لئے یہ حکم دیا ہے کہ اس سے فساد فی الارض

مقصود ہے نہ یہ کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اس لئے۔

اور اسی طرح بعض نے جادوگر کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اکثر علماء نے بھی اُسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے موقوف اور مرفوع روایت ہے کہ

حد الساحر ضربه بالسيف (رواہ الترمذی)

جادوگر کی حد اس کی گردن تلوار سے اڑا دینا ہے۔

اور امیر المؤمنین سیدنا عمر، سیدنا عثمان، اُم المؤمنین سیدہ حفصہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ساحر ﴿یعنی جادوگر﴾ کی گردن اڑا دی جائے۔ لیکن ﴿یہ﴾ قتل کی وجہ اور علت مختلف بیان کرتے ہیں؛ بعض علماء اس لئے اُسے قتل کرنے کی تجویز کرتے ہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے اور بعض علماء کہتے ہیں نہیں بلکہ فساد فی الارض کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں بر بنائے حد جادوگر کو قتل کیا جائے۔

اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان جرائم میں جن میں قتل واجب ہے ان جرائم کی تکرار پر تعزیر بالقتل کا حکم دیتے ہیں مثلاً کوئی شخص لواطت پر اصرار کرے یا یہ کہ لوگوں کو تحصیل مال کے لئے دھوکہ اور فریب دیتا ہے تو اُسے قتل کرنا واجب ہے۔

اگر کسی مفسدہ کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے شر سے اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ اُسے قتل نہ کیا جائے تو اُسے قتل کر دیا جائے جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں سیدنا عرفہ الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ﴿اس طرح﴾ سنا ہے۔

من اتاكم وامرکم علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق فی جماعتکم فاقتلوه۔

جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک آدمی پر مجتمع ہو، اس کا ارادہ تمہاری جماعت

میں پھوٹ ڈالنے کا ہوا تمہاری جماعت کو پراگندہ کرنے کا ہو تو اُسے قتل کر دو۔

اور دوسری روایت میں ہے:

سیکون ہنات و ہنات فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة و هی جمیع
فاضر بوه بالسيف کائنا من کان۔

پے در پے فتنے کھڑے ہوں گے؛ اس وقت کوئی آدمی اس اُمت میں پھوٹ ڈالنے کا
ارادہ کرے اور تمہاری جمعیت کو توڑنا چاہے تو تم اُسے تلوار سے قتل کر ڈالو ﴿چاہے وہ﴾
جو کوئی بھی ہو۔

اور یہی شراب نوشی کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب بار بار کی تعزیر سے وہ باز نہیں آتا تو چوتھی مرتبہ
میں اُسے قتل کر دو اور اس پر وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں
سیدنا وعلیہم السلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ سیدنا وعلیہم السلام رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں: اے اللہ رسول
اللہ ﷺ! میں ایسی سرزمین سے آیا ہوں جہاں شراب سے بڑا کام نکلتا ہے اور اس سے علاج معالجہ
کیا جاتا ہے، ہم قح سے شراب بناتے ہیں جس سے ہم کو بڑی قوت ملتی ہے اور بڑی حد تک اپنے پیشہ
میں کامیاب ہوتے ہیں، علاوہ ازیں ہمارے یہاں سردی بھی بہت ہوتی ہے اور اسی سے سہارا ملتا ہے
آپ نے فرمایا:

هل یسکو ؟

کیا وہ نشہ کرتی ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فاجتنبوه ۔

اس سے بچتے رہو۔

میں نے کہا کہ لوگ تو اسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا:

فان لم یترکوه فاقتلوه .

اگر وہ نہ چھوڑیں تو انہیں قتل کر دو۔

اور یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ مفسد ہے اور مفسد صائل حملہ آور کے مشابہ ہوا کرتا ہے۔ لہذا جس طرح صائل حملہ آور کی مدافعت بغیر قتل کے ناممکن ہو تو قتل کیا جائے اسی طرح اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اور سب کا اجماع اس پر ہے کہ عقوبت و سزا دو قسم کی ہے؛ ایک ماضی کے گناہ کی عقوبت و سزا کہ اسے اپنے کئے کی سزا مل جائے اور اللہ تعالیٰ کی خفگی و ناراضگی کا تذکر ہو جائے مثلاً شراب خور اور قاذف ﴿جھوٹی تہمت لگانے والے﴾ کو کوڑے لگانا محارب ﴿ڈاکو﴾ اور چور کے ہاتھ کاٹ دینا وغیرہ۔

دوسری ﴿سزا﴾ واجب حق ادا نہ کرنے کا اور جو جرم وہ کر رہا ہے مستقبل میں ترک نہیں کرتا اس کی سزا جس سے مقصود یہ ہے کہ حق واجب وہ ادا کرے اور مستقبل میں جرم کو ترک کر دے جیسے مرتد کہ اس کو توبہ کے لئے کہنا کہ وہ توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے۔ اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کر لے تو بہت بہتر و گرنہ اُسے قتل کر دیا جائے۔

اور جیسے تارک نماز، تارک زکوٰۃ اور بندوں کے حقوق نہ دینا، ان کے حقوق کو پامال کرنا وغیرہ یہاں تک کہ وہ حقوق واجبہ ادا کرنے لگ جائے۔

تو اس دوسری قسم کے جرائم میں پہلی قسم کے جرائم سے زیادہ تعزیر کی جائے گی۔ اور اس لئے مرتہ بعد مرتہ تارک نماز، تارک زکوٰۃ کو مارا اور پیٹا جائے گا یہاں تک کہ اس پر جو حقوق ہیں ادا کرنے لگ جائے۔

اور صحیحین کی وہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یجلد فوق عشرة اسواط الا فی حد من حدود اللہ .

حدود الہی کے سوا دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہ کی جائے۔

•••••154••••• حکمران پیورو کرسی اور عوام

اس کی تفسیر علماء کی ایک جماعت یہ کر رہی ہے کہ اس سے مراد حدود الہیہ ہیں جو اللہ کے حق کے لئے حرام کی گئی ہیں کیونکہ قرآن و سنت میں جہاں حدود کا لفظ آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حلال و حرام میں حد فاصل ہے۔ یعنی حلال کی آخری حد اور حرام کی پہلی حد کے درمیان ایک حد فاصل ہے۔ حلال کی آخری حد کے متعلق اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا

یہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود ہیں انہیں مت پھلانگو۔

اور حرام کی پہلی حد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا

یہ حدود الہی ہیں ان کے قریب نہ بھی جاؤ۔

اب رہی یہ بات کہ اس عقوبت و سزا کو حد کیوں کہا گیا تو جواب یہ ہے یہ نو پیدا عرف ہے اور حقیقت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی۔

اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے حق کے لئے اگر مارے مثلاً مرد اپنی بیوی کو مارے کہ کسی وجہ سے باہم نشوز اور کھچاؤ پیدا ہو گیا ہے تو اس کا فرض یہ ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے۔

باب 18 (Chapter) کے مضامین

جن کوڑوں سے مارا جائے وہ درمیانی ہونے چاہئیں لکڑی یا کانٹے دار چیز سے نہ مارا جائے، تمام کپڑے نہ اُتارے جائیں؛ منہ پر نہ مارا جائے؛ پیٹھ اور کندھوں اور رانوں پر مارا جائے اور اس کے ہاتھ نہ باندھے جائیں۔

شریعت میں جن کوڑوں کے لگانے کا حکم ہے وہ ایسے ہونے چاہئیں کہ معتدل و درمیانی ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

خیر الامور اوسطها۔

بہترین امور وہ ہیں جو درمیانی ہوں۔

امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہ سخت ضرب لگائی جائے نہ نرم۔ کوڑا نہ بہت بڑا ہو نہ بہت چھوٹا۔

لکڑی سے نہ مارا جائے؛ کانٹے دار چیز سے نہ مارا جائے۔ اس میں درجہ کافی نہیں ہے بلکہ درجہ تعزیرات میں مستعمل ہے حدود میں تو کوڑوں ہی کی مار ماری جائے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی کو ادب دیتے، ادب سکھاتے تو درجہ کے ذریعہ سکھاتے، لیکن جب حدود کا معاملہ ہوتا تو کوڑا منگوا لیتے۔ کوڑے لگواتے وقت مجرم کے سارے کپڑے نہ اتارے جائیں بلکہ اتنے اتارے جائیں جو ضرب اور مار اور چوٹ سے روکتے ہوں۔ اندر آنتوں اور رگوں پر مار کا اثر نہ پہنچے اور جب تک سخت ضرورت پیش نہ آئے محدود یعنی جس پر حد جاری کی جا رہی ہے اُس کو باندھا بھی نہ جائے اور منہ پر بھی نہ مارا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ اس کی تادیب کی جائے، اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور ایسی مار ماری جائے کہ ہر عضو کو اس کا حاصل جائے مثلاً پیٹھ اور کندھوں اور رانوں پر مار ماری جائے۔

باب 19 (Chapter) کے مضامین

عقوبت و سزا دو قسم کی ہیں؛ ایک تو یہ کہ ایک یا دو چند آدمی اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کریں اور دوسری یہ کہ ایک مضبوط جماعت ہو جو اسلام کی راہ میں حائل ہو اور لڑنے، مارنے مرنے پرتل جائیں۔ پہلی قسم میں حد ہے اور دوسری قسم میں جہاد۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے جو سزا اور عقوبت لازم آتی ہے، دو قسم کی ہے۔ ایک وہ عقوبت و سزا ہے جو مقدر اور مقرر ہے جو ایک آدمی کے لئے یا دو چند آدمیوں کے لئے ہوا کرتی ہے جیسا

••••• 156 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

کہ پہلے اس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری عقوبت و سزا وہ ہے جو ایک زبردست گروہ کے مقابلہ میں ہو جس پر قتل کے بغیر قابو حاصل نہیں ہوتا اور یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے؛ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے خلاف لڑائی ہے۔

پس جبکہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت ان تک پہنچ جائے، دین کی تبلیغ ہو جائے اور وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کے مقابلہ میں جہاد اور حرب و قتال فرض ہے یہاں تک کہ کوئی فتنہ دین کے بارے میں باقی نہ رہے اور دین الہی پھولے پھلے۔

بعثت کے آغاز میں آپ ﷺ کو صرف دعوت الی الاسلام کی اجازت تھی، قتل کرنے اور مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب مجبور ہو کر آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں آپ ﷺ کی قوت و طاقت بڑھ گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو جہاد و قتال اور جنگ کا حکم دیا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَانَهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهَدَمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (حج: 41)

جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اب ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس لئے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو بیچارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ”ہمارا رب اللہ ہے“ ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹواتا (دفع کرواتا)

تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا تو اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست غالب ہے۔ ان مومن لوگوں کو اگر حاکم وقت بنا کر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو اچھے ہی اچھے کام کریں گے، نماز پڑھیں گے زکوٰۃ دیں گے، اچھے کام کے لئے کہیں گے اور برے کام سے منع کریں گے؛ اور سب چیزوں کا انجام کار تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں پر جہاد و قتال فرض کیا گیا اور یہ آیت اتری:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرَّةٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ .

(بقرہ: 216)

مسلمانو! تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو ناگوار بھی گزرے گا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس کے بعد مدنی سورتوں میں جہاد کی عظمت و اہمیت پیش کی اور جہاد فرض کیا گیا اور جہاد ترک کرنے والوں کی مذمت اور برائی پیش کی۔ جہاد و قتال ترک کرنے والوں کو مریض قلوب ۷ یعنی منافق کے نام سے یاد کیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ نِّ افْتَرَقْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ . (توبہ: 24)

اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان و قبیلے والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے اگر یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول کے رستے میں جہاد کرنے سے تم کو یادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے اور اللہ ان لوگوں کو جو اس کے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحجرات: 15)

پس سچے مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہے، حقیقت میں یہی سچے (ایمان والے) ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ طَاعَةٌ وَ قَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ

(محمد: 20-22)

پھر جب کوئی سورت نازل ہو اور اُس میں صاف طور پر جہاد کا حکم اور لڑائی کا تذکرہ ہو تو

اے پیغمبر (ﷺ) جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے تم اُن کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو رہی ہو، سوان کے لئے خرابی ہے۔ رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری چاہیے اور سیدھی طرح پر جواب دینا چاہیے، جب لڑائی ٹھن جائے اور یہ لوگ اللہ سے سچے رہیں تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہے۔ (اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں ناطوں کو توڑ ڈالو۔

اور اس قسم کی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں اور اسی طرح جہاد و قتال اور جہاد کرنے والے مجاہدوں کی عظمت و اہمیت سورہ الصف کے اندر وارد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ تَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝ وَ أُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَ فَتْحٌ قَرِيبٌ وَ بَشِيرِ الْمُؤْمِنِينَ .

(صف: 10-13)

اے پیغمبر (ﷺ)! مسلمانوں سے کہو: مسلمانو! کیا میں تم کو ایسی تجارت اور سوداگری بتاؤں جو تم کو آخرت کے عذاب دردناک سے بچائے؟ وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑاؤ، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں اور نیز عمدہ عمدہ مکانات میں کہ وہ مکانات ہمیشہ ہمیش رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے ایک اور نعمت بھی

ہے جسے تم دل سے پسند کرتے ہو کہ اللہ کی طرف سے تم کو مدد ملے گی اور فتح اور اے پیغمبر! مسلمانوں کو اس کی خوشخبری سنا دو۔

اور ارشاد ہے:-

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَ جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَ هَاجَرُوا وَ جَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَ
أَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَ أُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ
بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَ رِضْوَانٍ ۝ وَ جَنَّتٌ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ
اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ. (توبہ: 19-22)

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور ادب و حرمت والی مسجد خانہ کعبہ کو آباد رکھنے
کو اس شخص جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتا ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد
کرتا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔
جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد
کئے یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی ہیں جو منزل مقصود کو پہنچنے
والے ہیں۔ ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا
ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ملے گی اور یہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک
اللہ کے ہاں بہت بڑا ثواب موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ

لَا تَمِمْ ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ. (مائده: 54)

تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو اللہ ایسے لوگوں کو لا موجود کرے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم، کافروں کے ساتھ نہایت سخت، اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں رکھیں گے یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطْئُونَ مَوْطِنًا يَعْغِطُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوِّ نِيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (توبہ: 121)

یہ اس لئے کہ ان جہاد کرنے والوں کو اللہ کی راہ میں پیاس، محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے یا ایسی جگہوں پر چلتے ہیں جہاں کافروں (اور منافقوں) کو غصہ آئے یا دشمنوں کی جاسوسی کی، تو ہر ہر کام کے بدلے ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے بیشک اللہ خلوص دل سے اسلام کی خدمت کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیا کرتا۔ اور تھوڑا بہت جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو (وادیاں اور) میدان ان کو عبور کرنے پڑتے ہیں یہ سب ان کے نام (اعمالِ صالحہ میں) لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

پھر ان اعمالِ معاشرت سے جو اعمال پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا اور جہاد کا حکم دیا۔ اور کتاب

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 162 •••••

اللہ اور کتاب الرسول میں بیشتر جگہوں پر جہاد کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ذکر ہے افضل تطوع اور بہترین نفل جہاد ہے اور اسی بناء پر علماء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ جہاد! حج عمرہ اور نفل روزوں سے بھی افضل ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول اس پر دلالت کرتی ہیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

راس الامر الاسلام و عموده الصلوة و زروة سنامه الجهاد.

راس الامر اسلام ہے اور اس کا عمود وستون نماز ہے ان سب سے بہترین عمل جہاد ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ان فى الجنة لمأة درجة ما بين الدرجة والدرجة كما بين السماء والارض

اعدها الله للمجاهدين فى سبيله. (متفق عليه)

جنت میں سو درجے ہیں اور (ہر) دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ آسمان و

زمین کے درمیان ہے اور یہ درجے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار کر

رکھے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من اغبر قدماه فى سبيل الله حرمه على النار. (رواه البخارى)

جس شخص کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

رباط يوم و ليلة خير من صيام شهر و قيامه و ان مات اجرى عليه عمله

الذى كان يعمل و اجرى عليه رزقه و امن الفتان. (رواه مسلم)

ایک رات دن اللہ کی راہ میں گھوڑے باندھنا ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ کی شب

بیداری سے بہتر ہے؛ اگر وہ اس حالت میں فوت ہو گیا تو اُسے اس کے عمل کا اجر ملتا رہے

گا اور اس کا رزق بھی جاری کر دیا جائے گا اور (دنیا، قبر اور آخرت) فتنوں سے پناہ ملے

گی۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تبتها النار عين بكت من خشية الله و عين باتت تحرس في سبيل الله
(قال الترمذی حدیث حسن)

جو آنکھ اللہ کے خوف سے روئے اور جو آنکھ فی سبیل اللہ حراست (پہریداری) کرے اس
کو دوزخ کی آگ کبھی نہ چھو سکے گی۔

اور مسند احمد میں ہے:

حرس ليلة في سبيل الله افضل من الف ليلة يقام ليلها و يصام نهارها.
(رواه احمد في سنده)

ایک رات اللہ کی راہ میں حراست کرنا (پہرہ دینا) ہزار راتوں کی شب بیداری اور ہزار
روزوں سے بہتر ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے:

ان رجلا قال يا رسول الله اخبرني بشيء يعدل الجهاد في سبيل الله قال
تستطيعه قال اخبرني قال هل تستطيع اذا خرج المجاهد ان تصوم لا
تفطر و تقوم لا تفتر قال لا قال فذلك الذي يعدل الجهاد (متفق عليه)

کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھے ایسی چیز بتلائیں جو
جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس
نے کہا بتلائیں تو سہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ جب مجاہد جہاد
کے لئے نکلے تو تم روزے رکھنا شروع کرو اور افطار نہ کرو اور رات کو تہجد پڑھو اور کبھی ناعہ نہ
کرو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ عبادت جہاد کے برابر ہو سکتی ہے۔

اور سنن میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان لكل امت سياحة و سياحة امتي الجهاد في سبيل الله .

ہر امت کی سیر و سیاحت ہوتی ہے جبکہ میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے
یہ بات بہت وسیع ہے؛ حقیقت جہاد، اعمال جہاد اور اس کے اجر و ثواب اور فضیلت کے بارے
میں وارد ہوئی ہیں۔ غور و عبرت کی جائے تو یہ ظاہر ہے کیونکہ جہاد کا نفع مجاہد اور دوسروں کے لئے دین و
دنیا میں عام ہے اور ہمہ قسم کی عبادات و طاعات ظاہرہ و باطنہ پر مشتمل ہے اس لئے کہ جہاد محبت الہی،
اخلاص اور توکل علی اللہ پر مشتمل ہے۔ مجاہد اپنی جان و مال اللہ کے حوالے کر دیتا ہے؛ صبر و ہد، ذکر الہی
اور ہمہ قسم کے اعمال اس کے اندر شامل ہیں۔ جہاد کے علاوہ دوسرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس میں یہ تمام
اعمال شامل ہوں۔

جو شخص اور جو امت جہاد کرتی ہے وہ دو قسم کی نیکیوں سے ہمیشہ بہرہ ور ہوتی ہے ایک تو نصرت
الہی، فتح و ظفر یا شہادت پا کر جنت حاصل کر لے اور دوسرا یہ کہ خلق اللہ کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ
بڑا اہم ہے۔ جہاد میں دین و دنیا کی سعادت ہے اور زندگی اور موت کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو جاتا
ہے۔ ترک جہاد سے دنیا و آخرت کی سعادت سے یکسر محروم ہو جاتا ہے یا ان میں نقصان پیدا ہو جاتا
ہے۔ بعض لوگ شدید قسم کی ریاضت کرتے ہیں، دین و دنیا کے لئے اعمال شاقہ برداشت کرتے ہیں،
باوجود اس کے ان سے منفعت بہت کم حاصل ہوتی ہے جبکہ جہاد ایک ایسا عمل ہے کہ اس میں زیادہ سے
زیادہ نفع ہے اور اعمال شاقہ سے کہیں زیادہ اس میں منفعت ہے۔ کبھی کبھی انسان اپنی ترقی اور اصلاح
کے لئے ایسے اعمال شاقہ کر گزرتا ہے کہ موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن شہید کی موت ہمہ قسم کی اموات
سے آسان اور سب سے بہتر ہے۔ ﴿اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کی موت عطا فرمائے آمین﴾
(ابو عبد اللہ)

حرب و قتال اور جنگ کا اصل مقصد مشروع جہاد ہے اور جہاد کا مقصد اصلی یہ ہے کہ دین کل کا کل

••••• حکمران پیورو کر سکی اور عوام 165 •••••

اللہ کا ہو جائے اور کلمہ الہی بلند ہو۔ لہذا جو شخص اس جہاد سے روکے، اس سے منع کرے یا اس میں مزاحمت پیدا کرے تو تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ جو لوگ منع نہیں کرتے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال نہیں کرتے، جو کسی طرح جہاد میں مزاحم نہیں ہیں جیسے کہ عورتیں، بچے، راہب، شیخ کبیر، بوڑھے، اندھے، لولے، لنگڑے اور اپانچ وغیرہ تو جمہور ﴿علماء﴾ کا یہ فتویٰ ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل نہ کیا جائے؛ انہی لوگوں کو قتل کرنا واجب ہے جو قول و فعل سے مسلمانوں کے خلاف حرب و قتال اور جنگ کرتے ہیں۔ گویا بعض ﴿علماء﴾ سب کو قتل کرنا مباح کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ کافر ہیں اس لئے قتل کر دیا جائے۔ ہاں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ یہ تو مسلمانوں کا مال ہے۔ پہلا قول صحیح اور صواب اور ثواب ہے کیونکہ جہاد یہی ہے اور اسی کا نام ہے کہ جب ہم دین کی دعوت پیش کریں، دین کی اشاعت کریں، دین حق کو پھیلانا چاہیں تو وہ ہم سے لڑیں ہم کو روکیں اور تبلیغ و اشاعت کی راہ میں مزاحمت کریں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِينَ . (البقرہ: 190)

اور مسلمانو! جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو اور زیادتی نہ کرنا؛ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سنن میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو جمع پایا اور ایک متقولہ عورت کو دیکھا؛ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا:

ما كانت هذه لتقاتل .

یہ عورت تو کسی کو قتل نہیں کرتی تھی۔

اور آپ ﷺ نے ایک شخص سے کہا:

الحق خالدا فقل له لا تقتلوا ذرية ولا عسيغا.

••••• حکمران پیور کریسی اور عوام ••••• 166 •••••

جاؤ جا کر خالدؓ بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہو کہ چھوٹی اولاد، محنت مزدوری کرنے والے، بے ضرر غلاموں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔

اور اسی سنن میں ہے؛ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تقتلوا شیخا فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأة .

شیخ فانی کو قتل نہ کرو، اور نہ چھوٹے بچوں کو قتل کرو نہ عورتوں کو۔

اور یہ اس لئے کہ قتال و جہاد مخلوق کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے مباح کیا گیا ہے۔ قتل کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ اس سے فلاح و بہبود متصور ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والفتنۃ اکبر من القتل .

اور فتنہ قتل سے بھی بڑا اثر ہے۔

یعنی قتل کرنا بھی شر اور فساد ہے۔ تو گویا کسی کو قتل کرنا بھی شر و فساد ہے مگر کفار کا شر و فساد اس سے بھی بڑھ کر ہے اور بہت بڑا فتنہ ہے۔ پس جو شخص دین کی اشاعت، دین کی اقامت سے منع نہیں کرتا؛ انؓ مجاہدینؓ کی مزاحمت نہیں کرتا تو اس کا کفر اسی کے لئے مضر ہے نہ کہ مسلمانوں کے لئے۔ اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ ایسی بدعات کی دعوت دینا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا جو کتاب اللہ اور کتاب الرسول کے خلاف ہے، سراسر دین کی توہین ہے اور دعوت دینے والے اور اس کی نشر و اشاعت کرنے والے کو عقوبت و سزا دی جائے، خاموش رہنے والے کو وہ عقوبت و سزا نہ دی جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

ان الخطیئة اذا اخفيت لم تضر الا صاحبها ولكن اذا ظهرت فلم منكر ضرت العامة .

جب خفیہ طور پر گناہ کیا جائے تو گناہ کرنے والے ہی کو نقصان کرتا ہے لیکن جب کھلے طور پر گناہ کیا جائے اور اس سے روکا نہ جائے تو عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

اسی لئے شریعت نے کفار سے قتال و جنگ واجب کیا ہے لیکن جو معذور اور بے بس ہیں ان سے قتال اور جنگ واجب نہیں کیا بلکہ اگر کوئی خفیہ طور پر قتال وغیرہ کا مشورہ دیتا ہے یا کشتی اور جہاز کی راہ بتلاتا ہے یا یہ کہ مسلمانوں کو غلط راستہ بتلاتا ہے یا اور کسی قسم کا کام کرتا ہے یا حیلہ بتلاتا ہے تو امام والی حاکم ﴿گورنر اور حکمران﴾ کا فرض ہے کہ صلح طریقہ اختیار کرے اور سوچ سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش کرے۔ اسے اس کام سے دور رہنے کی ہدایت کرے یا قتل کر دے یا احسان کر کے چھوڑ دے یا فدیہ لے لے کر چھوڑ دے یا جان کی ضمانت لے کر اسے رہا کر دے۔ جو بہتر معلوم ہو وہ کرے۔ اکثر فقہاء کا یہی قول ہے اور کتاب و سنت بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اگرچہ بعض فقہاء اس پر احسان کرنے اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کو منسوخ مانتے ہیں۔

رہا اہل کتاب اور مجوسیوں کا مسئلہ تو ان سے قتال و جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں؛ ان کے سوا دوسرے لوگوں سے جزیہ لینے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، مگر عام فقہاء عربوں سے جزیہ نہیں لیتے۔

جو طائفہ جو گروہ اس کی نسبت اسلام کی طرف ہوتی ہے اور مسلمان کہلاتے ہیں لیکن بعض شرائع ﴿یعنی شرعی قوانین﴾ سے وہ حذر ﴿واحتراز﴾ کرتے ہیں یا منع کرتے ہیں اور وہ شرائع ﴿قوانین﴾ ایسے ہیں جو ظاہر اور متواتر ہیں تو ان سے جہاد کرنا واجب ہے؛ اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد و قتال کرنا فرض ہے یہاں تک کہ اللہ کا دین کل کا کل پھیل جائے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ”زکوٰۃ“ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ گو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابتدا میں اس سے اختلاف کیا لیکن بعد میں وہ بھی اس سے متفق ہو گئے مثلاً امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

کیف تقاتل الناس و قد قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی

یشہدوا ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله فاذا قالوها فقد عصموا

منی دمانهم و اموالهم الا بحقها و حسابهم علی اللہ.

تم ان ﴿زکوٰۃ کے منکر﴾ لوگوں سے جہاد و قتال کیسے کر سکتے ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مجھے حکم دیا ہے میں لوگوں سے جنگ اس وقت تک کروں کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ یہ شہادت دے دیں تو اپنی جان و مال بچالیں گے مگر کسی حق کے ساتھ؛ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا:

فَإِنَّ الزَّكَاتَ مِنْ حَقِّهَا وَاللَّهُ لَوْ مَنَعُونِي عَنَّا كَانُوا يُؤْذُونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَقَاتِلُهُمْ عَلَى مَنَعِهَا

زکوٰۃ اس کلمہ کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ اس کا وہ ٹکڑا بھی مجھے دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال و جنگ کروں گا۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے تھے: یقیناً اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قتال و جنگ کے لئے شرح صدر فرما دیا تھا ﴿یعنی سینہ کھول دیا تھا﴾ اور اب میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ یہ حق پر ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ سے مختلف بہت سے طریقوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خوارج کے خلاف جہاد و جنگ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سنا ہے؛ آپ ﷺ فرماتے تھے:

سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ. سَفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقُولُونَ مَنْ خَيْرُ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ إِيْمَانَهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَإِنَّمَا لَقِيتُمُوهُمْ قَاتِلُوهُمْ فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

آخر زمانے میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو جوان ہوں گے اور بیوقوف ہوں گے، وہ خیر البریہ کا قول پیش کریں گے لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین ان سے ایسے نکل جائے گا جس طرح تیرکمان سے نکل جاتا ہے، پس جہاں تم ان کو پاؤ قتل کر دو۔ ان کے قتل کرنے سے قیامت کے دن تمہیں اجر و ثواب ملے گا۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے:

يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَيْسَ قِرَاءَتُهُمْ بِشَيْءٍ وَلَا صِيَامُهُمْ إِلَى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ يَحْسَبُونَ أَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ لَا تُجَاوِزُ قُرْآنُهُمْ تَرَافِيهِمْ يُمَرِّقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمَرِّقُ السَّيِّدُ بَابَ مِنَ الرَّمِيَةِ

میری امت میں سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو قرآن پڑھتی رہے گی لیکن ان کی قرأت کے مقابلہ میں تمہاری قرأت کوئی چیز نہیں اور نہ ان کی نماز کے مقابلہ میں تمہاری نماز کوئی چیز ہے اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں تمہارے روزے کوئی چیز نہیں، قرآن پڑھیں گے اور خیال کریں گے قرآن ان کے لئے دلیل ہے حالانکہ قرآن ان کے خلاف ہوگا، ان کی قرأت ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گی۔ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔

تو اگر وہ جمیش اور لشکر جن تک رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ پہنچے کہ رسول اللہ کی زبان اقدس نے یہ فیصلہ کیا ہے، تو یقیناً اس پر عمل کریں گے۔

اور سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اوپر والی حدیث میں یہ جملہ بھی روایت کئے ہیں:

يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِيمَانِ وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ لِيُنْ أَدْرِكُهُمْ لَا قِتْلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ

(بخاری و مسلم)

وہ اہل ایمان والوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے۔ اگر میں ان کو پاؤں گا تو قوم عادی طرح انہیں قتل کروں گا۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

تَكُونُ أُمَّتِي فِرْقَتَيْنِ فَنَخْرُجُ مِنْ بَيْنَهُمَا مَارِقَةً بَلَى قَتَلَهُمْ أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ

میری اُمت دو فرقوں میں بٹ جائے گی، ان دونوں سے بے دین لوگ کھڑے ہو جائیں گے تو جو لوگ حق پر ہوں گے وہ ان کو قتل کریں گے۔

یہ وہی لوگ تھے جن سے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تھی جبکہ عراقی لوگوں میں اور شام کے لوگوں میں تفرقہ بازی ہوئی تھی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا نام حُرور یہ رکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دونوں گروہ آپ کی اُمت سے علیحدہ ہیں اور اصحاب علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔ آپ ﷺ نے ان مارقین، بے دینوں کے سوا کسی سے جنگ کرنے کی تحریص و تحریک نہیں فرمائی بلکہ انہی لوگوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال کا حکم فرمایا جو اسلام سے خارج ہو گئے تھے، اور جماعت اسلام کو ترک کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کا خون اور مال اپنے لئے حلال و مباح کر لیا تھا۔

پس کتاب و سنت اور اجماع اُمت سے ثابت ہو گیا کہ اس جماعت سے قتال و جنگ کی جائے جو شریعت اسلام سے خارج ہوں۔ اگرچہ وہ کلمہء شہادت یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار کریں۔

فقہاء کہتے ہیں اگر کوئی زبردست گروہ سنت کی مزاحمت کرے اور اسے ترک کرنے پر کمر بستہ ہو جائے مثلاً فجر کی دو سنتوں کا انکار کرے تو دونوں قول کے مطابق ان سے قتال و جنگ کی جائے۔ اور اگر واجبات اور محرمات ظاہرہ و ثابۃ مستفیضہ سے انکار کرے تو بالاتفاق ان سے جنگ کی جائے یہاں

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 171 •••••

تک کہ وہ نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزوں اور حج بیت اللہ کا التزام کر لیں اور محرمات مثلاً بہنوں سے نکاح کرنے، خبیث چیزوں کے کھانے اور مسلمانوں پر حکومت کرنے سے باز آ جائیں، ایسے لوگوں سے قتال و جنگ واجب ہے۔ اور قتال و جنگ اس وقت واجب ہے جبکہ دعوت نبوی ﷺ ان تک پہنچ جائے۔

لیکن جب مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ لوگ جنگ کرنے کی ابتداء کریں تو اس وقت ان کا مقابلہ کرنا اور ان سے قتال و جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ عام فرض ہے کہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں اور اس طرح مقابلہ کریں جس طرح کہ مسلمانوں پر زیادتی کرنے والوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے مثلاً قطاع الطريق ﴿ڈاکو، راہزن، دہشتگرد﴾ وغیرہ۔ اور ان سے بھی زیادہ ضروری اور واجب ہے کہ کفار اور طائفہ متمتعہ سے جو بعض شرائع الہیہ ﴿شرعی قوانین﴾ سے مزاحمت کریں؛ جنگ و قتال واجب ہے مثلاً زکوٰۃ نہ دینا اور خوارج کا فتنہ وغیرہ؛ تو ان سے مقابلہ اور قتال و جنگ کرنا واجب ہے۔

ابتداء جنگ میں مدافعتانہ جنگ کی جائے اور یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر بعض مسلمان جنگ و قتل میں حصہ لیں گے تو باقی مسلمانوں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا، اگرچہ فضیلت اسی میں ہے کہ اس جنگ میں شرکت کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (نساء ع 13)

جن مسلمانوں کو کسی طرح کی معذوری نہیں اور وہ جہاد سے بیٹھ رہے، ان کی شرکت کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی، یہ لوگ درجے میں برابر نہیں ہو سکتے۔

لیکن اگر دشمن کا ارادہ مسلمانوں کے خلاف جنگ و قتال کا ہے، اور ہجوم کر کے چڑھ دوڑے ہیں تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی مدافعت کریں۔ مدافعت ان پر فرض ہو جاتی ہے جن پر حملہ کیا گیا ہے، ان پر فرض اس لئے ہے کہ ان پر حملہ ہوا ہے۔ اور دوسرے مسلمانوں پر اس لئے کہ اہل اسلام کی اعانت

وامداد فرض ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ يَنْصُرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ
(الانفال ع: 1).

ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے مدد کے طالب ہوں تو تمہیں ان کی مدد کرنا لازم ہے، مگر اس کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور ان میں صلح کا معاہدہ ہو۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ يَنْصُرُ الْمُسْلِمَ

مسلمان، مسلمان کی امداد کریں۔

مسلمانوں کی امداد ضروری ہے، اس میں ان کو روزینہ ملے یا نہ ملے، اگرچہ روزینہ دینا بہتر ہے۔ تمام مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جان و مال سے اعانت و امداد کریں۔ اور یہ اعانت و امداد ان پر فرض ہے؛ جس قسم کی سہولت ہو، قلیل یا کثیر، پیادہ جائے یا سواری پر۔ بہر حال اعانت و امداد فرض ہے، جیسے کہ غزوہ خندق کے وقت کہ جب کفار نے حملہ کیا تو سب مسلمانوں پر حسب امکان جہاد فرض ہو گیا تھا۔ کسی ایک کو بھی اس جہاد کے ترک کرنے کی اجازت نہیں تھی جیسی کہ ترک جہاد کی اجازت ابتداء میں تھی کہ دشمنوں کی طلب میں نکلیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک گھروں میں رہنے والے اور دوسرے اللہ کی راہ میں لڑائی کے لئے نکلنے والے۔ نہ لڑنے والے اور لڑنے والے، بلکہ اس وقت بھی جن لوگوں نے عذر پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے نہ جانے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔

يَقُولُوْنَ اِنْ بُيُوتُنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ . اِنْ يُرِيدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا

پیغمبر سے گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگیں اور کہیں کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ

غیر محفوظ نہیں بلکہ ان کا ارادہ تو صرف بھاگنے ہی کا ہے۔ (احزاب ع: 2)

••••• 173 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

یہ جہاد، قتال و جنگ! دین اور حرمت و عزت اور جانوں کی مدافعت کے لئے ہے۔ اور یہ اضطراری اور مجبوری کے سبب سے لڑنا پڑتی ہے۔ اور وہ قتال و جنگ اختیاری ہے۔ دین و ملت کی زیادتی اور اضافہ اور اعلاء کلمہ دین اور دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھنا مقصود ہے کہ دشمن کسی وقت بھی سراونچانہ کریں جیسے غزوہ تبوک وغیرہ۔

تو یہ عقوبت و سزا اس جماعت ممتنعہ اور طاقتور گروہ کے مقابلہ کے لئے ہے لیکن اگر جماعت ممتنعہ اور طاقتور نہیں ہے، اٹکا دکھا واقعہ ہے تو اس کے لئے یہ عقوبت و سزا نہیں ہے، جیسے کہ اسلامی آبادیوں میں ہوتا رہتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے امیر و حاکم کا فرض ہے کہ انہیں فرائض، واجبات، سنن و مستحبات کا پابند بنائے، اور مہمانی اسلام، ضروریات دین، اصول اسلام پر عمل کرائے۔ اور اس کے لئے مجبور کیا جائے۔ اور معاملات کے بارے میں ادائے امانت، وفاء عہد، ایفاء وعدہ پر مجبور کیا جائے۔

پس جو لوگ نماز ترک کر دیں اور عورتیں عموماً بے نمازی ہوں تو انہیں حکم دیا جائے کہ وہ نماز پڑھیں۔ جو نماز نہ پڑھے اُسے عقوبت و سزا دی جائے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگ جائیں اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ ایسے بے نمازی کو قتل کر دیا جائے۔ پہلے ایسے بے نمازیوں کو توبہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ اور حکم دے کہ نماز پڑھا کریں۔ اگر توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگ جائیں تو بہتر و نہ قتل کر دیئے جائیں۔

اب انہیں قتل کیا جائے تو کس گناہ کی بنا پر؟ آیا وہ نماز نہ پڑھنے سے کافر ہو جاتے ہیں اس لئے؟ یا مرتد یا فاسق ہو جاتے ہیں اس لئے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب کی رو سے دو قول مشہور ہیں۔ ایک قول کی رو سے وہ کافر ہو جاتے ہیں اس لئے قتل کئے جائیں۔ دوسرے قول کے مطابق وہ فاسق ہیں اس لئے۔ اور اکثر سلف سے جو منقول ہے وہ اسی کے مقتضی ہیں کہ وہ کافر ہو جاتے ہیں، اس لئے ان کا قتل کرنا واجب ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ فرض و وجوب کا اقرار کریں اور نماز نہ پڑھیں۔ لیکن ایسا شخص کہ نماز کے فرض و وجوب کا انکار کرتا ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہے بلکہ چھوٹے

••••• 174 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

بچوں کے والیوں پر واجب ہے کہ اپنے چھوٹے بچوں کو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں نماز پڑھنے کا حکم کریں۔ جب دس سال کے ہو جائیں تو مار مار کر نماز پڑھائیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا حکم ہے:

مُرُوهُمْ بِالصَّلَاةِ سَبْعَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا بِعَشْرِ. وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

بچے جب سات برس کے ہوں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر مارا کرو۔ اور ان کو علیحدہ سلاؤ۔

اسی طرح بچوں کو ضروریات نماز، طہارت و اجنبہ سکھانا بھی ضروری ہے اور ضروریات نماز میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کی مسجدیں آباد کریں۔ ان کے امام وغیرہ مقرر کریں اور انہیں حکم کریں کہ رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھا کریں۔ اور ایسی نماز پڑھائیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (رواہ البخاری)

تم ایسی نماز پڑھو جیسی میں پڑھا کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر منبر کی ایک جانب نماز پڑھائی اور پھر فرمایا:

إِنَّمَا فَعَلْتُ هَذَا لِتَأْتِمُوا بِي وَلِتَعْلَمُوا صَلَاتِي

میں نے یہ اس لئے کیا کہ تم میری اقتداء کرو اور تم میری نماز سیکھ لو۔

اور حکمران پر فرض ہے کہ نماز وغیرہ پر پوری نظر رکھے کہ ان کی نماز میں کسی قسم کا نقصان مقصود نہ ہو بلکہ حکمران پر لازم ہے کہ نماز کا مل طور پر پڑھائے، جیسے منفرد پڑھتا ہے، اس طرح نہ پڑھائے کہ منفرد بوجہ عذر اقتضار بھی کر سکتا ہے۔ امام کا فرض ہے کہ وہ نمازیوں کی تمام ضروریات پر نگاہ رکھے۔

یہی حکم امام حج کا ہے کہ تمام حاجیوں کی ضروریات پر نظر رکھے اور انہیں حج کی ضروریات سکھائے۔ سپہ سالار لشکر کے لئے ضروری ہے کہ وہ لشکریوں پر پوری پوری نگاہ رکھے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وکیل اور ولی (یعنی مختار) بیع و شراہ پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے مؤکل اور ولی بنانے والے (یعنی چیز

••••• 175 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

کے مالک کے مال کی نگرانی اور اس میں تصرف کس طرح کرتا ہے۔ اور جو اصلح و احسن طریقہ ہوتا ہے وہ اختیار کرتا ہے؛ یہاں تک کہ اپنا مال اور کمیشن وغیرہ بھی کچھ ضائع ہو جائے تو پرواہ نہیں کرتا لیکن اس مالک کے مال کی حفاظت کرتا ہے۔ تو یہ دین کا معاملہ ہے جو نہایت اہم ہے۔ اور اس معنی کی وضاحت فقہاء نے کی ہے۔ جب والیان امر مثلاً: وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر خزانہ، چیف جسٹس، آئی جی پولیس، چیف آف آرمی، نیوی اور ایئر اسٹاف، صوبائی گورنرز، گورنر بینک دولت، وزراء اعلیٰ اور محکمہ جاتی وزراء، ہائی کورٹس کے چیف جسٹس، ماتحت عدالتوں کے جج اور جج ریڈرز، ڈی، سی۔ اے، سی، مجسٹریٹ، کمشنر، کسٹم حکام اور ٹیکس افسران، ناظمین اور ناظمین اعلیٰ، کنسلرز وغیرہ وغیرہ، والیان ملک حاکم وقت کے لوگوں کے دین کی اصلاح کریں گے تو دونوں گروہ کا دین اور دنیا درست ہو جائے گا۔ امیر والی اور رعایا دونوں فلاح و بہبود کو پہنچیں گے۔ ورنہ معاملہ مضطرب ہو جائے گا، اور ان کو حکومت کرنا دشوار ہو جائے گی۔

اور ان تمام باتوں کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ رعیت کے لئے حسن نیت اور دین کے لئے اخلاص درکار ہے کہ اللہ کا دین ترقی کرے۔ اور وہ اللہ پر توکل و بھروسہ رکھے کیونکہ اخلاص و توکل ہی دو چیزیں ایسی ہیں جن پر خواص و عوام کی صلاح و بہبود موقوف ہے جیسا کہ ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم اپنی نماز میں یہ پڑھا کریں:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحة)

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ان کلموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور نیچوڑ ان جملوں میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحة)

روز جزا کا حاکم ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

•••••176••••• حکمران پیورو کرسی اور عوام

”پڑھتے ہیں تو لوگوں کے سراپے کندھوں پر ہل جاتے ہیں۔“

اور اللہ نے قرآن میں بہت سی جگہ اس معنی کو ادا کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود ع: 1)

تو اسی کی عبادت کرو، اور اسی پر بھروسہ رکھو۔

اور فرمایا:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ اُنِيبُ

میں تو اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

جب نبی کریم ﷺ اپنے اخیہ یعنی قربانی کے جانور کو ذبح کرتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ اِلَيْكَ

اے اللہ! یہ تیری جانب سے اور تیرے ہی لئے ہے۔

سب سے زیادہ، سب سے بڑی اعانت و امداد، جو ولی الامر اور حاکم ﴿وقت﴾ اور رعایا کو ملتی

ہے وہ ان تین امور سے ملتی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص، اسی رب پر توکل اور اسی احکم

الحاکمین سے دعا۔ اور اس کی محافظت نماز میں قلب و جسم کی محافظت سے ہوتی ہے۔

دوسرا یہ کہ مخلوق پر احسان کہ وہ (یعنی ولی الامر/حاکم یا قائد) اپنے مال سے لوگوں کو نفع پہنچائے،

اور وہ زکوٰۃ و صدقات اور خیرات ہے جس سے نفع پہنچایا جاسکتا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ مخلوق کی ایذا اور تکلیف پر صبر کرے۔ صبر سے کام لے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ

نے نماز اور صبر کو جمع کر دیا ہے، فرماتا ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (البقرة 45):

اور صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔

اور فرماتا ہے:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَى النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ
ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور دن کے دونوں سرے صبح و شام اور اوائل شب نماز پڑھا کرو، کیونکہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ جو لوگ ذکر کرنے والے ہیں، ان کے حق میں یہ یاد دہانی ہے۔ اور عبادت کی تکلیف برداشت کرو کیونکہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ (ہود: 1)

اور فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ
غُرُوبِهَا (طہ: 130)

تو جیسی باتیں یہ کرتے ہیں، ان پر صبر کرو اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔

اور فرماتا ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ
مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ (حجر: 97-98)

اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ کافر جیسی جیسی باتیں کہتے ہیں، ان کی وجہ سے تم تنگ ہوتے ہو۔ تو تم اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور اس کی جناب میں سجدے کرو۔

اور نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور صبر سے حکمران اور رعایا، امیر و غریب دونوں کی اصلاح ہوتی ہے؛ جب ایک انسان اس معنی کو سمجھ لے، اور سمجھ کر نماز پڑھے اور ذکر الہی میں مشغول ہو جائے، دعا کرے، اللہ کے قرآن کی، کتاب کی تلاوت کرے اور اخلاص دین اور توکل علی اللہ کے ساتھ نماز پڑے اور زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ اللہ کی مخلوق پر احسان

•••••178••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

کرے، مظلوم کی نصرت و امداد کرے، غریب مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرے، اور محتاجوں کی حاجتیں پوری کرے۔ صحیحین میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ

ہر اچھی بات صدقہ ہے۔

معروف میں ہر قسم کا احسان داخل ہے۔ کھلی پیشانی سے پیش آنا۔ کلمہ طیبہ، اچھی بات کہنا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ صحیحین میں سیدنا عادی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيَكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَ وَبَيْنِهِ حَاجِبٌ وَلَا تَرْجَمَانٌ
فَيَنْظُرُ أَيَمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا شَيْئًا قَدَمَهُ وَ يَنْظُرُ أَشَامَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا شَيْئًا
قَدَمَهُ فَيَنْظُرُ أَمَامَهُ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ. فَمَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ
بَشِقِ تَمْرَةٍ. فَلْيَفْعَلْ فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ

تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے بات چیت کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس (بندے) کے درمیان نہ کوئی پردہ ہوگا نہ ترجمان۔ یہ اپنے داینے کو دیکھے گا تو اسے وہی چیز نظر آئے گی جو اس نے پہلے بھیجی ہے اور بائیں جانب دیکھے گا تو وہی چیز نظر آئے گی جو اس نے پہلے بھیجی ہے۔ آگے دیکھے گا تو اسے آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پس جو شخص تم میں سے چاہے کہ آگ سے بچ جائے تو صدقہ و خیرات کرے، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی یہ بھی نہ پائے تو اچھی بات کرے اور جہنم کی آگ اپنے اوپر ٹھنڈی کر لے۔ اور سنن کے اندر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ وَ وَجْهَكَ إِلَيْهِ مُبْسِطٌ
وَلَوْ أَنْ تَفْرَغَ مِنْ دُلُوكَ فِي إِنَاءٍ الْمُسْتَسْقَى

تم معروف اور احسان کو حقیر مت سمجھو۔ اگرچہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات

کرو، اور اگر چہ تم اپنے ڈول سے پانی پینے والے کے برتن میں پانی ڈال دو اور سنن کے اندر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

أَنْ أَثْقَلَ مَا يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ
بھاری سے بھاری، وزنی چیز جو میزان میں رکھی جائے گی، اچھے اخلاق ہوں گے۔
اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، آپ نے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يَا أُمّ سَلَمَةَ ذَهَبَ حُسْنُ الْخُلُقِ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
اے اُمّ سلمہ: حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائی ساتھ لے گیا۔

صبر میں لوگوں کی تکالیف و ایذا برداشت کرنا، غصہ کو پی جانا، لوگوں کو معاف کر دینا، اور خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا، شر اور فخر و غرور ترک کرنا وغیرہ داخل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَكَفُورٌ ۝ وَلَقَدْ أَذَقْنَا
نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝ إِلَّا
الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ
(ہود: 9-10)

اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی چکھائیں پھر اس کو اس سے چھین لیں تو وہ نا اُمید ہو جائے
والا ناشکرا ہے۔ اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہو، اور اس کے بعد ہم اس کو آرام چکھائیں
تو کہنے لگتا ہے کہ مجھ سے سب سختیاں دور ہو گئیں کیونکہ وہ بہت ہی خوش ہو جانے والا شئی
خور ہے۔ مگر جو لوگ صبر اور نیک عمل کرتے ہیں، یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور بڑا اجر
ہے۔

اور اپنے پیغمبر ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 180 •••••

وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا
ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ۝ وَإِنَّا يَنْزِعُ عَنْكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (حم سجدہ: 34-36)

اور نیکی اور بڑی برابر نہیں ہو سکتی، برائی کا دفیعا ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو، تو
تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ گرجوش دوست ہو جائے گا۔
اور حسن معاملات کی توفیق ان ہی کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ ان ہی کو دی جاتی
ہے جن کے بڑے نصیب ہیں اور اگر تم کو کسی طرح کا شیطانی وسوسہ لگدائے تو اللہ سے
پناہ مانگ لیا کرو کہ وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الظَّالِمِينَ . (الشوری: 40)

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، اس پر جو معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا ثواب
اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اذا كان يوم القيامة نادى مناد من بطنان العرش الا ليقم من وجب اجره
على الله فلا يقوم الا من عفا و اصلح .

قیامت کے دن عرش کے نیچے سے فرشتے پکاریں گے کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کا
اجرو ثواب واجب ہو گیا ہے تو کوئی کھڑا نہ ہوگا سوائے اس کے کہ جس نے معاف کیا اور
اصلاح کی۔

رعایا کے ساتھ نیک نیتی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کیساتھ وہ احسان کیا جائے جو ان کی خواہش ہو

اور وہ چھوڑ دیا جائے جس کو وہ مکروہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ .

اور اگر حق ان کی خواہش کے مطابق ہوا کرتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے

درہم برہم ہو گیا ہوتا۔ (المؤمنون: 71)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ خطاب کرتا ہے:

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ .

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں؛ بہت سی باتیں (ایسی) ہیں کہ اگر وہ

ان میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم ہی پر مشکل پڑ جائے۔ (الحجرات: 7)

احسان یہ ہے کہ دین و دنیا میں جو ان کے لئے مفید ہو وہ کیا جائے اگرچہ وہ اسے مکروہ اور برا ہی

کیوں نہ سمجھیں، لیکن امیر و والی (یعنی حاکم وقت) کا فرض ہے کہ جسے وہ مکروہ سمجھتے ہوں اور ان کے

لئے مفید ہے تو رفق و نرمی کا سلوک کر کے ان کو منوائے جیسا کہ صحیحین میں نبی اکرم (ﷺ) سے مروی

ہے آپ (ﷺ) نے فرمایا:

ماکان الرفق فی شیء الا زانہ ولا کان العنف فی شیء الا شانہ .

جب کسی چیز میں نرمی و آسانی کی جائے تو وہ خیر و برکت لاتی ہے، اور جب کسی چیز میں سختی

کی جائے تو وہ برائی لاتی ہے۔

اور آپ (ﷺ) نے فرمایا:

ان الله رفيق يحب الرفق و يعطى على الرفق مال ايعطى على العنف .

بیشک اللہ تعالیٰ بردبار ہے، بردباری اور نرمی پسند فرماتا ہے، اور بردباری و نرمی کرنے

والے کو وہ کچھ دیتا ہے جو ترش رو (اکھڑ مزاج) کو نہیں دیتا۔

اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”میں ارادہ کرتا ہوں کہ ان کو ایک مرتبہ حق نکال دوں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ وہ اس سے نفرت کریں گے تو میں صبر کر جاتا ہوں یہاں تک کہ میٹھی دنیا میرے پاس آ جائے تو میں ان کو ساتھ ہی ساتھ ان کا حق دے دوں اگر اس سے نفرت کریں تو دوسری چیز سے ان کو سکون و اطمینان حاصل ہو جائے۔

یہی حال رسول اللہ ﷺ کا تھا کہ جب کوئی شخص حاجت لے کر آتا تو اس کی حاجت پوری فرما دیتے، یا آسان، خوش کن جواب دے دیتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے قرا بتدار نے متولی اوقات بننے کی خواہش کی اور کہا اس میں کچھ روزینہ مقرر کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الصدقة لا تحل لمحمد ولا لآل محمد.

صدقہ محمد (ﷺ) اور ان کی آل کے لئے جائز نہیں ہے۔

اور آپ ﷺ نے صدقہ سے بالکل منع فرما دیا اور نے کے مال میں سے کچھ دے دیا۔ ایک مرتبہ سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی کی پرورش کے لئے تین دعویدار کھڑے ہو گئے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا زید اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہم۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حق پرورش مجھے پہنچتا ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حق پرورش مجھے پہنچتا ہے اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حق پرورش مجھے حاصل ہے لیکن آپ ﷺ نے کسی کے حق میں بھی فیصلہ نہیں دیا اور لڑکی کی خالہ کو دے دیا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اور ہر ایک کو کلمہء حسنہ (اچھی باتوں) سے خوش کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انت منی و انا منک .

تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا:

اشبهت خلقی و خلقی .

تم میرے خلق ﴿شکل و شباهت﴾ اور اخلاق کے مشابہ ہو۔

اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے کہا:

انت اخونا و مولینا .

تم ہمارے بھائی ہو ہمارے مولیٰ ہو۔

ولی الامر ﴿وزیر خزانہ﴾ اور حاکم ﴿وقت﴾ کو تقسیم مال اور دوسرے احکام دینے میں ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ لوگ ہمیشہ ولی الامر اور حاکم سے ایسی ایسی چیزیں مانگتے رہتے ہیں جو ان کو نہیں دی جاسکتیں مثلاً ولایت ﴿افسری﴾ و حکومت ﴿یعنی گورنری﴾، مال یا منافع مال اور حدود وغیرہ میں سفارش وغیرہ پورا کرنا۔ اور یہ سوال ان کا پورا نہیں کیا جاسکتا تو ان کو دوسرے طریقہ سے دوسری چیز دے کر خوش رکھنا چاہیے اور غفلت و سختی نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ اس کی ضرورت نہ ہو کیونکہ سائل کے سوال کو مسترد کرنا، اُسے سخت تکلیف دہ ہوتا ہے خصوصاً ایسے لوگ کہ جن کی تالیفِ قلوب ضروری ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ. (ضحیٰ: 10)

اور نہ سائل کو جھڑکا کرو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا ۖ إِلَىٰ قَوْلِهِ وَ
إِنَّمَا تُعْرِضْنَ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا.

(بنی اسرائیل: 26-28)

اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور مال و دولت بے جا مت اڑاؤ..... اور اگر تمہیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہو، ان غرباء سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے اُن کو سمجھا دو۔

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 184 •••••

تو جب کسی شخص کو اس کی طلب و مانگ کے خلاف دیا جاتا ہے تو اُسے تکلیف ہوتی ہے، ایسے موقع پر قول و عمل سے اُسے خوش رکھنا کامل ترین سیاست ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ حکیم و ڈاکٹر کسی کو مکروہ اور کڑوی دوائی دیدے اور پھر اُسے ایسی چیز دے جو اس کا نعم البدل ہو جائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو اُن کو کہا گیا:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيْنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (طہ: 44)

پھر اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ سمجھ جائے یا ہمارے عتاب سے ڈرے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعری کو یمن کی طرف بھیجا تھا۔ فرمایا:

يَسْرًا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشْرًا وَلَا تُنْفِرُوا وَتَطَوَّعًا وَلَا تَخْتَلِفُوا

لوگوں کے ساتھ آسانی برتنا، سختی نہ کرنا، خوش رکھنا، متغیر نہ کرنا، باہم ایک دوسرے کی اطاعت کرنا، اختلاف نہ کرنا۔ (بخاری و مسلم)۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد کے اندر پیشاب کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہو گئے اور اُسے ڈانٹنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَزِرُ مَوْهُ عَلَيْهِ بَوْلُهُ (بخاری و مسلم)

اس کا پیشاب بند نہ کرو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے پانی کا ڈول منگوا کر پیشاب پر بہا دیا۔ اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مَّيْسَرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعْثِرِينَ (بخاری و مسلم)

اللہ نے تمہیں آسانی دے کر بھیجا ہے، سختی کرنے کو نہیں بھیجا۔

اس سیاست کی ضرورت انسان کو اپنے لئے، اپنے گھر کے لئے اور ولی الامر/حکمران کو رعایا کی

••••• 185 ••••• حکمران پیورو کرسی اور عوام

نگہداشت کے لئے ضروری ہے، کیونکہ نفس انسانی کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ حق بات جلدی قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس کو محفوظ اور خوش کن اور ضروری چیزوں سے خوش نہ کیا جائے اور اس کی احتیاج و ضرورت پوری نہ کی جائیں۔ تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور بھلی باتیں کرنا بھی عبادت الہی میں داخل ہے، اور یہ امور بھی طاعت الہی ہے، بشرطیکہ نیت نیک ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ کھانا پینا، لباس اور کپڑے انسان کیلئے واجب ہیں، اور عام علماء کرام کا اس پر فتویٰ ہے، اگر اس نے حالت اضطراری میں نہیں کھایا اور وہ مر گیا تو دوزخی ہوگا کیونکہ عام عبادتیں اس کے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔ اور جس چیز کے بغیر واجب انجام نہ پائے اس کا کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور اسی لئے انسان پر اپنی جان اپنے اہل و عیال کا نفقہ دوسروں کے مقابلہ میں پہلے ہے جیسا کہ سنن کے اندر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقُوا صدقہ دیا کرو۔

ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس ایک دینار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ عَلَى نَفْسِكَ

اپنی جان پر صدقہ کرو۔

اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى زَوْجِكَ

اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔

اس نے کہا میرے پاس تیسرا دینار بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ

اسے اپنے لڑکے پر خرچ کرو۔

اس نے کہا چوتھا دینار بھی میرے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ عَلَى خَادِمِكَ

اپنے خادم پر اسے خرچ کرو۔

اس نے کہا پانچواں دینار بھی میرے پاس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنْتَ أَبْصَرُ بِهِ

تم اُسے خوب جانتے ہو کہ کہاں خرچ کرنا چاہیے۔

اور صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ وَ دِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مُسْكِينٍ وَ دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ أَغْظَمَهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ (رواہ مسلم)

ایک دینار تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور ایک دینار غلام آزاد کرنے میں خرچ کرو، ایک دینار تم مسکین کو دو، ایک دینار اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، سب سے بڑا اجر اس میں ہے، جو تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو۔

اور صحیح مسلم میں ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ آدَمَ إِنَّكَ تُبْذِلُ الْفَضْلَ خَيْرٌ وَإِنْ تُمْسِكُ شَرٌّ لَكَ وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ. وَ أَبَدًا بِمَنْ تَعُولُ وَ أَيْدِ الْعُلَيَّا خَيْرٌ مِّنْ أَيْدِ السُّفْلَى

اے ابن آدم فاضل مال کو خرچ کرنا تمہارے لئے بہتر ہے روک رکھنے سے، اور کفاف پر ملامت نہیں کی جائیگی، جن کی عیال داری کر رہے ہو، اس کے لئے خرچ کرو، اور اوپر کا ہاتھ (دینے والا) نیچے کے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔

اور یہی تاویل و تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ: 219)

اور تم سے دریافت کرتے ہیں کتنا خرچ کریں تو سمجھا دو جتنا تمہاری حاجت سے زیادہ ہو۔

عفو کے معنی فضل کے ہیں کہ مال فاضل ہو، اس لئے کہ اپنی جان، اور اپنے اہل و عیال کا نفقہ فرض عین ہے، بخلاف جہاد فی سبیل اللہ اور غزوات میں خرچ کرنا، اور مساکین کو دینا، یہ فرض کفایہ ہے، یا مستحب، البتہ کبھی کبھی فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس وقت جبکہ کوئی دوسرا دینے والا نہ ہو، کیونکہ بھوکے کو کھانا کھانا فرض عین ہے، اور اسی بناء پر حدیث میں وارد ہے:

لَوْ صَدَقَ السَّائِلَ لَمَّا أَفْلَحَ مَنْ رَدَّهٗ (مسند احمد)

اگر سائل سچا ہے تو اُسے رد کرنے والا فلاح کو نہیں پہنچے گا۔

ابو حاتم بستی رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں علم و حکمت کی بہت سی باتیں ہیں۔ آل داؤد علیہ السلام کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عقلمند پر یہ حق ہے کہ اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کر دے۔ ایک گھڑی اپنے رب کے حضور میں مناجات، دعاء کرے، اور ذکر و فکر میں صرف کرے۔ ایک گھڑی اپنے نفس اپنی جان کا محاسبہ کرے، ایک گھڑی دوست و احباب سے مل بیٹھے جو اس کو اس کے عیوب سے باخبر کریں، اور ایک گھڑی حلال و جمیل لذتوں سے بہرہ ور ہو کیونکہ اس گھڑی سے دوسری گھڑیوں کو مدد ملتا کرتی ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مباح اور اچھ جائز لذتوں میں وقت خرچ کرنا بھی ضروری ہے، اس سے دوسری ساعتوں کو تقویت پہنچتی ہے، اور اسی لئے فقہاء نے کہا ہے: دین و مروت کی اصلاح و بہبود ہی عدالت ہے۔

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

”میں کبھی کبھی باطل سے بھی جان کو خوش کر لیا کرتا ہوں تاکہ حق کے لئے مجھے مدد ملے“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لذتیں، شہواتیں اسی لئے پیدا کی ہیں کہ مخلوق کی مصلحتیں ان سے پوری ہوتی

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 188 •••••

ہیں، اور اس سے اپنے فوائد و منافع حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ مثلاً غضب و غصہ کو اس لئے پیدا کیا کہ اس کے ذریعہ ضرر رساں اور تکلیف دہ چیزوں کی مدافعت ہو سکے اور شہوتیں وہی حرام کی ہیں جو ہمارے لئے مضرت رساں ہیں۔ لیکن وہ مباح اور جائز شہوات جن کے ذریعہ حق پر چلنے کی استطاعت ملتی ہو، تو ایسی شہوات اعمال صالحہ نیک کام ہوں گے۔ اور اسی لئے حدیث میں وارد ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ

(اپنی) بیوی سے خلوت کرنا بھی صدقہ ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا اپنی شہوت پوری کی جائے، اس میں بھی اجر و ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَمَا كَانَ عَلَيْهِ زُرُّ؟

اگر وہ حرام میں خرچ کرتا تو اس پر گناہ نہ ہوتا؟

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہاں کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

فَلِمَ تَحْسِبُونَ بِالْحَرَامِ وَلَا تَحْسِبُونَ بِالْحَلَالِ؟

حرام کا تو حساب لگاتے ہو، اور حلال کا حساب نہیں لگاتے؟

اور صحیحین میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أَزْدَدْتُ بِهَا دَرَجَةً وَرِفْعَةً حَتَّى

الْلُقْمَةِ تَضَعُهَا فِي فَمِ امْرَأَتِكَ

تم اللہ کی رضامندی میں خرچ کرتے ہو اس سے تمہارا درجہ بڑھتا ہے۔ رفعت و بلندی

حاصل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھ دو تو یہ بھی کارِ ثواب ہے۔

اور اس بارے میں آثارِ بیشمار ہیں، اگر مومن نیت صالح رکھ کر اپنے اعمال و افعال انجام دے تو ہر وقت

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام 189 •••••

ہر کام سے بڑے سے بڑا اجر و ثواب حاصل کر سکتا ہے، اور صالح اعمال و افعال جو مباح ہیں ان کے قلوب کی صلاح کر سکتے ہیں۔ اور منافق کے لئے فسادِ قلب، فسادِ نیت کا موجب ہوتے ہیں، اور اس کو عقاب سزا اس کے اعمال و افعال ہی سے ملتی ہے، اس کی عبادتیں ریاکارانہ ہوتی ہیں جو بجائے فائدہ کے اس کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

آگاہ رہو جسم میں ایک لوتھڑا ایسا ہے جو اگر وہ اچھا ہو تو سارا جسم اچھا ہوتا ہے، جب وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، آگاہ رہو کہ وہ قلب (دل) ہے۔

باب 20 (Chapter) کے مضامین

عقوباتیں، سزائیں اس لئے مشروع کی گئی ہیں کہ فرائض و واجبات پر عمل کرایا جائے، اور حرام اُمور سے بچا جائے، اس لئے ایسی چیزیں پیش کرنی چاہیے جو خیر و طاعات کی طرف رغبت دلائے، اور ایسی چیزوں سے روکا جائے جو برائی اور شر کی رغبت دلائے۔

عقوباتیں اور سزائیں واجبات پر عمل کرنے اور محرمات سے بچنے کے لئے ہیں، اور اس لئے ہر وہ چیز مشروع ہے جو اس کے لئے معین و مددگار ثابت ہو۔ اور ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے طریق خیر و طاعات اور اس کی ترغیب و تحریص ہو، اور خیر و طاعت میں معین و مددگار ثابت ہو، اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی طرف توجہ دلائی جائے، مثلاً لڑکوں پر، اہل و عیال پر اور اگر امیر و والی ﴿افسریا حاکم﴾ ہو تو رعایا پر صرف کیا جائے۔ اور ایسے طریقہ سے صرف کیا جائے کہ ان کے جذبات برا بھینتہ ہوں، مال پیسوں سے ہو یا تعریف و ستائش سے یا کسی اور طریقہ سے۔ اور اسی لئے شریعت نے مسابقت بالخیل یعنی گھڑ دوڑ اور اونٹ دوڑانے میں بازی لے جانا، نیزہ وغیرہ چلانے میں قوت خرچ کرنا مشروع فرمایا

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 190 •••••

ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم گھڑ دوڑ کی مسابقت میں شرکت کیا کرتے تھے، اور بیت المال کے گھوڑے اس مسابقت میں لاتے تھے، اور یہی کیفیت مؤلفۃ القلوب کی ہے، مؤلفۃ القلوب کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے ”ایک آدمی شروع میں یعنی صبح کو اسلام اس لئے قبول کرتا ہے کہ اسے دنیا مطلوب ہوتی تھی، لیکن آخر دن یعنی شام کو وہ اس قدر پختہ اسلام ہوتا ہے کہ ہر چیز اور ہر آدمی سے اسے اسلام زیادہ محبوب ہوتا ہے، اور سب سے زیادہ اس کا اسلام پسندیدہ ہوتا ہے۔“

یہی حال شر و معصیت کا ہے، شر اور معصیت کا جو اصل مادہ ہے اسے جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ دینا چاہیئے۔ گناہ کے ذرائع و وسائل کا سد باب کر دینا چاہیئے۔ جو چیزیں بھی شر و معصیت کی طرف منفری ہوں، پوری قوت سے ان کی مدافعت کرنی چاہیئے جب تک کہ کوئی ایسی مصلحت راجحہ اس کے خلاف نہ ہو کہ جس کی وجہ سے خاموشی اختیار کی جائے۔ اس کی مثال خود رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ملتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَخْلُونَنَّ الرَّجُلُ بِامْرَأَةٍ فَإِنَّ ثَالِثَهَا الشَّيْطَانُ

کوئی غیر مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے، کیونکہ تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَمِّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمَيْنِ إِلَّا مَعَهَا زَوْجٌ أَوْ ذُو مَحْرَمٍ

جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لئے جائز نہیں کہ دو روز کا سفر بھی بلا شوہر یا بلا ذی محرم کے کرے۔

نبی کریم ﷺ نے اجنبی عورت کے ملنے، اور تنہا سفر کرنے سے اسی لئے روکا اور منع فرمایا کہ شر و معصیت کا سد باب ہو جائے اور شر و معصیت کے مادہ کی جڑیں کاٹ دی جائیں۔

••••• 191 ••••• حکمران پیورو کر سکی اور عوام

امام شعی رحمہ اللہ سے مروی ہے، جب عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس میں ایک حسین و خوبصورت لڑکا بھی تھا۔ آپ نے اُسے دیکھا اور اپنی پشت کے پیچھے بیٹھنے سے اُسے حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جناب داؤد علیہ السلام کی خطا اور گناہ یہی نظر و نگاہ تھی۔

جب امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ایک عورت چند اشعار پڑھ رہی ہے، اور ان اشعار میں یہ شعر بھی تھا:

هَلْ مِنْ سَبِيلٍ إِلَى خَمْرٍ فَأَشْرَبَهَا؟

هَلْ مِنْ سَبِيلٍ إِلَى نَضْرٍ بِنِ حَجَّاجٍ؟

یعنی: کیا شراب مجھے کسی راستے سے مل سکتی ہے؟ کیا کوئی راہ نصر بن حجاج سے ملنے کی ہے؟

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی وقت نصر بن حجاج کو بلایا، دیکھا وہ جوان نہایت حسین و خوبصورت ہے۔ آپ نے اس کا سر منڈوا دیا، لیکن اس سے اس کی خوبصورتی اور حسن زیادہ ابھر آیا تو آپ نے اُسے بصرہ جلاوطن کر دیا تاکہ مدینہ کی عورتیں فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ کسی شخص کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس بہت سے لڑکے بیٹھا کرتے ہیں، آپ نے لڑکوں کو اس کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا اور کہہ دیا کہ اس کے پاس مت بیٹھا کرو۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایسے آدمی کی مجالس اور ہم نشینی سے بھی منع کر دیا جس سے فتنے کا اندیشہ ہو اور مردوں یا عورتوں کے لئے فتنہ کا سبب ہوں۔ ایسے لڑکوں کے والیوں کا فرض ہے کہ وہ بلا ضرورت انہیں گھر سے باہر نہ نکلنے دیں۔ بن سنور کر نکلنے اور خوشبو لگانے سے روکیں۔ حمام وغیرہ میں نہ جانے دیں۔ اگر جائے تو کپڑے وغیرہ اتارنے دیں۔ لہو و لعب ﴿کھیل تماشے﴾، گانے بجانے کی مجلسوں میں نہ جانے دیں۔ ایسے اُمور میں تعزیر کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جس آدمی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ فسق و فجور میں مشہور ہے، اُسے خوبصورت غلام کا

••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام ••••• 192 •••••

مالک بننے سے روکا جائے۔ اور غلاموں میں اور اس میں تفریق کروادی جائے کیونکہ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اگر ایسا آدمی شہادت دے جو مشہور قسم کے فسق میں مبتلا ہے، تو اس کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ اور فریق ثانی کو حق پہنچتا ہے کہ اس کی شہادت پر جرح کرے، اگرچہ اس نے دیکھا نہ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کی بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وَجَبْتُ! واجب ہوگئی۔

اس کے بعد دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے کہا یہ بہت ہی بُرا آدمی تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وَجَبْتُ! واجب ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ دونوں کے متعلق آپ نے یہی فرمایا کہ ”وَجَبْتُ“ کیا وجہ ہے اور کیا واجب ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

هَذِهِ الْجَنَازَةُ أَتَيْتُمْ عَلَيْهَا خَيْرًا فَقُلْتُ وَجَبْتُ لَهَا الْجَنَّةَ. وَ هَذِهِ الْجَنَازَةُ

أَتَيْتُمْ عَلَيْهَا شَرًّا فَقُلْتُ وَجَبْتُ لَهَا النَّارَ أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ

پہلے جنازہ کی تم نے تعریف کی تو میں نے کہا: اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے

جنازہ کی تم نے مذمت اور برائی کی تو میں نے کہا: اس کیلئے دوزخ واجب ہوگئی۔ کیونکہ تم

لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت ایسی تھی جو اعلانیہ فسق و فجور کیا کرتی تھی۔ اس کے متعلق آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ هَذِهِ

اگر گواہوں کے بغیر میں کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا۔

کیونکہ حدود گواہوں کے بغیر یا اقرار کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتیں، لیکن ایسے آدمی کی شہادت اور امانت وغیرہ میں معائنہ وغیرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لئے عام شہرت کافی ہے، اگر مشہور نہ ہو، کم درجہ کی

••••• حکمران پیورو کر سکی اور عوام 193 •••••

شہرت ہو تو اس کے دوستوں کو دیکھ کر دلیل لا سکتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اعْتَبِرُوا النَّاسَ بِأَحَدَانِهِمْ

لوگوں کا اعتبار اس کے دوستوں کے لحاظ سے کرو۔

دیکھا جائے کہ اس کے دوست کس قسم کے ہیں؟ اور یہ مدافعت شتر ہے، اس سے اجتناب و احتراز لازم ہے جیسے دشمن سے اجتناب و احتراز لازم ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

احْتَرِ سُوا النَّاسِ بِسُوءِ الظَّنِّ

لوگوں کے سوء ظن سے بھی بچا کرو۔

یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حکم ہے حالانکہ سوء ظن کی بنا پر عقوبت و سزا جائز نہیں ہے۔

باب 2 (Chapter) کے مضامین

حدود و حقوق، بلا وجہ، بلا سبب کسی کو قتل کرنا، کسی کی جان لینا، قیامت کے دن خون ناحق کا

فیصلہ سب سے پہلے ہوگا۔ قصاص لینے میں زندگی ہے۔

کسی متعین اور مقرر شخص کے حدود و حقوق ہو، ان میں کسی کو قتل کرنا، کسی کی جان لینا، کسی کو ہلاک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا. وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَمْلَاقٍ. نَحْنُ نَرِزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ. وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ. ذَٰلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ. لَا تُكَلِّفُ

نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا
ذَالِكُمْ وَضَعَكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَالِكُمْ وَصَّاهُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

(انعام: 151-153)

لوگوں سے کہو ادھر آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی
ہیں، وہ یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک مت ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے
رہو۔ اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو
بھی۔ اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر اور جو پوشیدہ ہوں ان میں سے کسی کے پاس بھی نہ
پھٹکن۔ اور وہ جان جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا، مگر حق پر، یہ ہیں وہ باتیں جن کا
حکم اللہ نے تم کو دیا ہے، تاکہ دنیا میں رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی
نہ جانا مگر ایسے طور پر کہ بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور انصاف کے ساتھ
پوری پوری ناپ کرو، اور پوری پوری تول۔ ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ
نہیں ڈالتے، اور جب بات کہو تو گو قرا بت داری ہی ہو، انصاف کرو۔ اور اللہ سے جو عہد
ہے اس کو پورا کرو، یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ اور یہ کہ
یہی ہمارا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ جانا کہ یہ تم کو اللہ
کے راستے سے تتر بتر کر دیں گے، یہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم

پرہیزگار بن جاؤ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً اِلٰی قَوْلِهِ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا
مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ ۚ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَآمَدَ لَهُ عَذَابًا

عَظِيمًا ۝ (النساء. ع: 13)

کسی مسلمان کے لئے رو انہیں کہ مسلمان کو جان سے مار ڈالے مگر غلطی سے..... الی قولہ
..... اور جو مسلمان کو دیدہ و دانستہ قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ
رہے گا۔ اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ اور اللہ نے اس کیلئے بڑا
سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ
فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ
جَمِيعًا ۝ (المائدہ: 32)

اس واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو تحریری حکم دیا کہ جو کوئی جان کے بدلہ نہیں اور
ملک میں فساد پھیلانے کی سزا کے طور پر نہیں بلکہ ناحق کسی کو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے
تمام انسانوں کو مار ڈالا، اور جس نے مرتے کو بچا لیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچا لیا۔
اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَوَّلُ مَا يُقْضَىٰ بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ (بخاری و مسلم)

قیامت کے دن سب سے پہلے جس کا فیصلہ ہوگا وہ ناحق خون کا ہوگا۔

قتل و خون تین قسم کا ہے: ایک قتل عمد ہے جس میں خطا اور شبہ خطا کا احتمال ہی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ
کسی کو بے گناہ قتل کر دیا۔ جیسا کہ عام طور پر قتل ہوا کرتا ہے۔ مثلاً تلوار سے کسی کو مار دینا، یا خنجر اور چھری
سے، یا ہتھوڑے یا پھاوڑے، کدال یا کلہاڑی، تیر وغیرہ سے یا گولی مار کر قتل دینا، یا جلا کر مار دینا، یا
غرق کر دینا، یا منہ بند کر کے مار دینا، یا زہر خورانی سے مار دینا، وغیرہ وغیرہ۔ تو اس قتل میں حد جاری ہو
گی۔ اور مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو حق ہوگا کہ چاہیں تو اُسے قتل کریں، چاہیں معاف کر دیں۔ اور اگر

••••• 196 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

چاہیں دیت و خون بہا لے کر چھوڑ دیں۔ مقتول کے اولیاء و ورثاء کو جائز نہیں ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا (بنی اسرائیل: 33)

اور کسی کی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، ناحق قتل نہ کرو، اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اُس کے والی کو اختیار دیا ہے تو اس کو چاہیے کہ خون میں زیادتی نہ کرے کیونکہ واجبہ بدلہ لینے میں اس کی جیت ہے۔

اس آیت کی تفسیر یہی کی گئی ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو قتل نہ کیا جائے۔ اور سیدنا ابی شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أُصِيبَ بِدَمٍ أَوْ خَبَلٍ فَهُوَ بِأَلْخِيَارِ بَيْنَ أَحَدِي ثَلَاثٍ فَإِنْ أَرَادَ الرَّابِعَةُ فَخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَنْ يَقْتُلَ أَوْ يَعْفُو أَوْ يَأْخُذَ الدِّيَةَ فَمَنْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَعَادٍ فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ خَالِدًا مَحَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا (رواہ اہل سنن)

جو خون ہو جائے یا خطرناک حالت میں پایا جائے اور پھر مر جائے تو تین راستے ہیں جو چوتھا راستہ اختیار کرے اُسے روکو۔ ایک یہ کہ قاتل کو قتل کر دے، دوسرا یہ کہ اُسے معاف کر دے، تیسرا یہ کہ دیت و خون بہا لے کر چھوڑ دے۔ ان تین طریقوں کے علاوہ کوئی چوتھا راستہ اختیار کرے تو وہ زیادتی کر رہا ہے، اس کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے۔

اگر کوئی شخص معاف کر دے، معاف کرنے کے بعد یا دیت و خون بہا لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دے تو یہ بہت بڑا جرم ہے، ابتداء قتل کرنے سے بھی بہت سخت جرم ہے، یہاں تک کہ بعض علماء کا قول ہے، اسے بطور حد قتل کیا جائے، اور مقتول کے اولیاء و ورثاء کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے قتل کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى
بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَاعْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ
ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ
أَلِيمٌ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرہ. ع: 22)

جو لوگ تم میں مارے جائیں ان میں تم کو جان کے بدلہ میں جان کا حکم دیا گیا ہے۔ آزاد
کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کو اس کے
بھائی سے قصاص کا کوئی جز معاف کر دیا جائے، تو مطالبہ دستور شرع کے مطابق اور قاتل
کی طرف سے وارثِ مقتول کو خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دینا یہ تمہارے رب کی طرف
سے تمہارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے
لئے عذاب دردناک ہے، اور عقلمندو! قصاص (قتل کے بدلے قتل کر دینے) میں تمہاری
زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) باز رہو۔

علماء کہتے ہیں: مقتول کے اولیاء و ورثاء کے قلوب غیظ و غضب سے لبریز ہوتے ہیں ان کا بس
چلے تو قاتل اور قاتل کے اولیاء و ورثاء کو بھی قتل کر دیں۔ بسا اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ
قاتل پر بس نہیں کرتے بلکہ قاتل کے ساتھ ہی ساتھ اس کے عزیزوں، قرابتداروں کو بھی قتل کر دیتے
ہیں، قاتل کے قبیلہ کے سردار یا مقدم و پیشوا کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ اور یہ نہایت خطرناک صورت ہے۔
اصل قاتل نے تو ابتداء میں ظلم کیا، لیکن مقتول کے اولیاء اور ورثاء نے خون کا بدلہ لینے میں جو ظلم و جور
اور زیادتی کی ہے اصل قاتل نے نہیں کی۔ اور وہ کام کیا جو شریعت سے خارج اہل جاہلیت کیا کرتے
تھے کہ شہری اور دیہاتی سب کے سب اس میں مبتلا ہو جاتے تھے اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا تھا۔ مقتول
کے اولیاء قاتل کے اولیاء کو قتل کر دیتے تھے اور ان قاتل اولیاء کے قاتلوں کو دوسرا فریق قتل کر دیتا تھا
یہاں تک کہ بسا اوقات دونوں فریق اپنا اپنا جتھا بنا لیتے تھے۔ اپنے اپنے حلیف بنا لیتے تھے، ایک قوم

••••• 198 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

ایک کی مدد کرتی، دوسری قوم دوسرے فریق کی اعانت و مدد کرتی۔ اور اس طرح یہ فتنوں کا دروازہ کھل جاتا اور انتہائی بغض و عناد اور کینہ ان میں گھر کر جاتا، اس کا سبب یہی ہوا کرتا تھا کہ یہ لوگ عدل و انصاف کو بالکل چھوڑ دیتے تھے، اور قصاص پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر قصاص فرض کر دیا ہے۔ اور قصاص کے معنی یہی ہیں کہ قتل کے بارے میں مساوات اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا جائے۔ زیادتی نہ کی جائے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ قصاص سے قاتل کے اولیاء اور ورثاء کی خونریزی بند ہو جاتی ہے، غیر قاتل بچ جاتے ہیں، اور فتنہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے معلوم ہو جائے کہ قصاص میں یہ بھی مارا جائے گا تو قتل کرنے سے باز رہتا ہے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُهُمْ وَهُمْ يَدُّ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَذْنَا
هُمْ أَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ

تمام مسلمانوں کے خون مساوی اور برابر ہیں اور اس پر تمام مسلمان متفق ہیں اور ذمیوں سے اچھا سلوک کرنے میں ادنیٰ اعلیٰ پوری کوشش کرتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے، اور نہ متعاہد کو جب تک کہ وہ اپنے عہد پر قائم ہے۔ (رواہ احمد و ابی داؤد وغیرہما من اہل سنن)۔

رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے خون مساوی اور بلا امتیاز تمام برابر ہیں، عربی کو عجمی پر، قریشی ہاشمی کو غیر قریشی ہاشمی پر اور اصلی حکومتی عتیق پر، عالم کو جاہل پر، امیر کو رعایا پر کوئی فضیلت نہیں دی۔ اور یہ تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہے بخلاف اہل جاہلیت اور حکام یہود کے کہ انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا، اور غلط حکم جاری کیا تو دنیا نے عرب باہم لڑ مرے۔

مدینہ طیبہ کے قریب دو قسم کے یہود آباد تھے، نضیر اور قریظہ۔ قریظہ کے مقابلہ میں نضیر کے خون

بہت ہوئے تھے اور اس لئے نبی ﷺ کو حکم ومنصف اور جج بنایا۔

اور حد زنا میں کچھ ایسا تغیر و تبدل کر دیا کہ رجم کو لوہے کے داغ سے تبدیل کر دیا۔ یہ یہود مسلمانوں کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر تمہارے پیغمبر اس کا حکم دے دیں تو ہمارے لئے حجت ہے، ورنہ سمجھا جائے گا کہ تم نے تورات کا حکم چھوڑ دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ اِلٰی قَوْلِهِ فَإِنْ جَاؤَكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ . وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ اِلٰی قَوْلِهِ فَلَا تَخْشَوُ النَّاسَ وَاخْشَوْنِي وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ (مائندہ. ع: 6-7)

اے پیغمبر! جو لوگ کفر پر لپکتے رہتے ہیں، ان کی وجہ سے تم آزرده خاطر نہ ہو۔ بعض ایسے ہیں جو اپنے منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل ایمان نہیں لائے تو اے پیغمبر! اگر یہ لوگ فیصلہ کرانے کو تمہارے پاس آئیں تو تم کو اختیار ہے کہ ان میں فیصلہ کرو یا ان کے معاملہ میں دخل دینے سے کنارہ کش رہو۔ اگر تم ان سے کنارہ کشی کرو گے تو یہ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تم لوگوں سے نہ ڈرو، ہمارا ہی ڈر رکھو اور ہماری آیتوں کے معاوضے میں ناچیز فائدے نہ لو، اور جو (جج) اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے تو یہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے تورات

میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ویسا ہی زخم۔

ان آیات میں اللہ نے بیان کیا کہ تمام جانیں برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے جیسا کہ یہود کیا کرتے تھے۔

..... الی قولہ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَمِنْهَا جَا الی قولہ
أَفْحُكُمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ O
(مائندہ. ع: 7)

..... اور اے پیغمبر ہم نے تمہاری طرف بھی کتاب برحق اتاری کہ جو کتابیں اس کے آنے سے پہلے موجود ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے تو جو کچھ اللہ نے تم پر اتارا ہے تم بھی اسی کے مطابق ان لوگوں کو حکم دو اور جو حق بات تم کو پہنچتی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت ٹھہرائی ہے اور طریقہ خاص کیا اس وقت میں زمانہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے خون سب کے سب مساوی اور برابر ہیں بخلاف جاہلیت کے، کہ اکثر خواہش نفس کی وجہ سے خون ہوا کرتے تھے اور شہری دیہاتی آبادیاں تمام کی تمام اس سے متاثر ہوتی تھیں۔ اور یہ درحقیقت بغاوت اور ترک عدل و انصاف کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔ ہر گروہ اپنے کو دوسرے گروہ پر غالب رکھنے کی کوشش کرتا تھا، خواہ خون کا معاملہ ہو یا مال کا، ایک

••••• 201 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

دوسرے پر غالب رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور غلبہ پر فخر و ناز کرتا تھا۔ عدل و انصاف کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دونوں فریق میں کوئی بھی خاموش نہیں بیٹھتا تھا ہر گروہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے وہی کرتا جو دوسرا گروہ کرتا تھا۔ قرآن مجید نے قسط و عدل اور انصاف کا حکم دیا۔ جاہلیت کے احکام کو بالکل باطل کر دیا، جس میں اکثر لوگ مبتلا تھے۔ جب کبھی اور جس وقت کوئی مصلح اصلاح کے لئے اقدام کرتا تو یہی اصول اور یہی عدل و انصاف لے کر اقدام کرتا۔ قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَاقْتَلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيَّ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ (الحجرات: ۱۰)

اور اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے، پھر جب رجوع کرے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو۔

اور اس بارے میں اولیٰ و افضل یہ ہے کہ پہلے اولیاء مقتول سے معاف کی درخواست کی جائے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ (مائدہ: ۷)

اور زخموں کا بدلہ ویسے ہی زخم ہیں۔ پھر جو مظلوم بدلہ معاف کر دے، وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَا رُفِعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَمْرٌ فِيهِ الْقِصَاصُ إِلَّا أَمَرَ فِيهِ بِالْعَفْوِ (رواہ ابو دؤد وغیرہ)

جب کوئی معاملہ پیش آتا جس میں آپ کو قصاص کا حکم فرمانا ہوتا لیکن آپ معاف کرنے کا حکم فرماتے۔

اور صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا نَقَصْتُ صَدَقَةً مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ (رواہ مسلم)

صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور جو کچھ بندہ معاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں عزت دیتا ہے، اور جو اللہ کے لئے تواضع عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رفع عطا فرماتا ہے۔

اور یہ جو ہم نے لکھا ہے، مساوات کے متعلق لکھا ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کے بارے میں ہے کہ آزاد افراد سب سے سب مساوی ہیں۔ ذی کفو نہیں، نہ مسلمان کے برابر ہے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے، جیسے کہ کفار اسلامی شہروں میں سفر و تجارت کی غرض سے آتے ہیں کہ یہ بالاتفاق کفو نہیں اور مسلمان کے برابر نہیں۔

بعض علماء کا قول ہے: ذمی کفو ہیں۔ اور مسلمان کے برابر ہیں۔ یہی نزاع غلام اور آزاد کے متعلق ہے کہ غلام کے مقابلہ میں آزاد کو قتل کیا جائے یا نہیں۔

دوسری قسم کا خون قتل خطا ہے جو شبہ عمدہ ہو۔ اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

أَلَا إِنَّ فِي قَتْلِ الْخَطَا شِبْهَ الْعَبْدِ مَا كَانَ فِي السَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ مِنْهَا أَرْبَعُونَ خِلْقَةً فِي بَطُونِهَا أَوْلَادُهَا.

آگاہ رہو کہ قتل خطا شبہ عمد میں جو کہ کوڑے یا لکڑی سے ہو، سواونٹ ہیں جن میں سے چالیس اونٹ ایسے ہوں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔

اور اسے شبہ عمد اس لئے کہا گیا ہے کہ کوڑا یا لکڑی مارنے والے نے زیادتی ضرور کی۔ اس نے مار مارنے میں اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی مار سے اکثر اوقات موت نہیں واقع نہیں ہوتی۔

تیسری قسم، خون کی قتل خطا ہے، مثلاً یہ کہ شکار پر تیر چلایا، اور وہ انسان کو لگ گیا (یا گولی چلائی اور بے گناہ انسان کو لگ گئی)۔ اور اس کے علم ارادہ کے خلاف واقعہ پیش آیا۔ تو اس میں تو دو حد نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کفارہ اور دیت، خون بہا ہوگا۔

اور اس بارے میں بی شمار مسائل ہیں جو اہل علم کی کتابوں میں درج ہیں۔

باجے (Chapter) کے مضامین

جرح وزخم کا قصاص، ہاتھ پاؤں کاٹنے سے ہاتھ پاؤں کاٹا جائے گا۔ دانت توڑنے سے دانت توڑا جائے گا۔ کسی کا سر پھوڑا تو اس کا سر پھوڑا جائے گا۔

جرح وزخم میں قصاص واجب ہے، اور یہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، بشرطیکہ مساوات ممکن ہو، اگر کسی نے کسی کا ہاتھ جوڑ سے توڑ دیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا ہاتھ جوڑ سے توڑ دے۔ اگر کسی کا دانت توڑ دیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کا دانت توڑ دے۔ سر اور منہ زخمی کر دیا ہے ایسا کہ ہڈی نظر آنے لگ گئی تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کا سر اور منہ اسی طرح زخمی کر دے جس طرح اس نے زخمی کیا ہے۔

اگر ایسا اور اس طرح توڑ دیا یا زخمی کیا ہے کہ مساوات ممکن نہیں مثلاً اندر کی ہڈی توڑ دی ہے یا یہ کہ اس طرح زخمی کیا ہے کہ ہڈی نظر نہیں آتی تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تاوان اسے دینا پڑے

گا۔

قصاص کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ سے پیٹا جائے، یا لٹھی یا کوڑے سے مارا جائے۔ مثلاً طمانچہ یا گھونسا لگنے، یا لٹھی وغیرہ سے مارا جائے، علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہے، بلکہ اس میں تعزیر ہے، کیونکہ اس میں مساوات اور برابری ممکن نہیں ہے۔ لیکن خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے کہ اس میں قصاص مشروع ہے۔ اور یہی امام احمد وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ اور سنت نبوی بھی یہی ہے۔ ابو فراس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس میں حدیث پیش کی، اس حدیث میں کہا:

أَلَا إِنِّي وَاللَّهِ مَا أُرْسِلُ عَمَّا لِي الْيَوْمَ لِيَضْرِبُوا آثَارَكُمْ وَلَا يَأْخُذُوا أَمْوَالَكُمْ وَلَكِنْ أُرْسِلُهُمْ إِلَيْكُمْ لِيَعْلَمُواكُمْ دِينَكُمْ وَنُسَنِّكُمْ فَمَنْ فَعَلَ بِهِ سَوْءٌ ذَلِكَ فَلْيَرْفَعْهُ إِلَى قَوْلِ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِذَا لَاقَصْنَهُ

آگاہ رہو۔ قسم اللہ کی میں اپنے عمال تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجا کرتا کہ وہ تمہیں مار ماریں، نہ تمہارا مال لینے کو بھیجتا ہوں، بلکہ اس لئے بھیجتا ہوں کہ تم کو تمہارا دین اور سننیں سکھائیں، پس جو اس کے سوا دوسرا کرے میرے پاس لائے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان سے قصاص لوں گا۔

اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: امیر المؤمنین! اگر کوئی امیر مسلمانوں کی نگرانی کر رہا ہے، اور وہ اپنی رعایا کو ادب سکھاتا ہے، آپ اس سے بھی قصاص لیں گے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں قسم اللہ کی میں اسے سے بھی قصاص لوں گا۔ اور صرف میں ہی قصاص نہیں لیتا بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنی جان سے بھی قصاص لیتے تھے۔ خبردار تم مسلمانوں کو مت مارا کرو، ان کو ذلیل نہ کیا کرو، ان کے حقوق نہ روکا کرو، اس سے وہ لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں، یہ روایت مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے۔

•••••205••••• حکمران پیورو کر سکی اور عوام

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ والی، حاکم ناجائز مار نہ مارا کریں، اگر مشروع مار ہو تو اجماع ہے، اس میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ مشروع مار یا تو واجب ہوگی یا مستحب ہوگی، یا جائز ہوگی، اور ان تینوں میں قصاص نہیں ہے۔

باب 23 (Chapter) کے مضامین

عزت و آبرو کا قصاص بھی مشروع ہے۔ گالی دینا جرم ہے اس کا بھی قصاص ہے، اگر کوئی کسی کے باپ دادا یا قبیلے کو برا کہے تو جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے باب دادا اور قبیلہ کو برا کہے، کیونکہ انہوں نے اس پر ظلم نہیں کیا۔

عزت و آبرو کا بھی قصاص مشروع ہے، اور وہ یہ کہ مثلاً کوئی شخص کسی پر لعنت بھیجے یا بد دعا کرے، تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کرے۔ اگر کوئی سچی گالی دے جس میں جھوٹ قطعاً نہیں ہے تو یہ بھی گالی دے سکتا ہے، لیکن معاف کر دینا افضل و بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ
اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، اس پر جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے، بیشک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور ہاں کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے بعد بدلہ لے، تو یہ لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْتَبَانَ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِي مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومَ
آمنے سامنے بولنے والے پر وہی ہوگا لیکن شروع کرنے والے پر کچھ زیادہ ہوگا جب تک کہ اس نے مظلوم پر زیادتی نہیں کی۔

••••• 206 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

اور اسی کو انصاف بھی کیا جائے گا۔ اور گالی گلوچ ایسی کہ اس میں جھوٹ نہ ہو مثلاً یہ کہ جو برائیاں اس میں ہیں وہ ظاہر کرنی، یا یہ کہ کتا، یا گدھا، وغیرہ کہنا، تو اس میں قصاص ہے لیکن اگر کسی نے افتراء و بہتان لگایا تو جائز نہیں ہے کہ افتراء و بہتان کے بدلہ میں افتراء و بہتان لگا۔ اگر کوئی کسی کو بلا استحقاق کافر یا فاسق کہے تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ یہ بھی اسے کافر کہے۔ اگر کوئی کسی کے باپ دادا اور قبیلے یا اہل شہر پر لعنت بھیجے تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ جواب میں یہ بھی ایسا ہی کہے کہ یہ تعدی اور زیادتی ہے کیونکہ ان لوگوں نے اس پر کچھ نہیں کیا، بلکہ جو کچھ کیا ہے اس آدمی نے کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا. اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (مائدہ. ع: 2)

مسلمانو! اللہ واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دیئے کو آمادہ رہو، اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کی باعث نہ ہو کہ تم معاملات میں انصاف نہ کرو، ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوہ انصاف پر ہیزگاری سے قریب تر ہے۔

اس آیت میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ کفار سے بغض و عناد کی وجہ سے اعتداء اور زیادتی نہ کیا کرو۔ صاف صاف کہہ دیا:

اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدہ. ع: 2)

ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوہ انصاف پر ہیزگاری کے قریب تر ہے۔

پس عزت و آبرو کے بارے میں بھی عدوان اور زیادتی حرام ہے، حالانکہ اس کا حق ہے، پس اگر ایذا اور تکلیف ایسی پہنچائے جس میں قصاص و بدلہ لیا جاسکتا ہے، مثلاً کسی نے کسی پر بددعا کی تو مظلوم بلا عدوان اور زیادتی کے بددعا کر سکتا ہے، لیکن اگر حق اللہ اس کے متعلق ہوتا ہے مثلاً جھوٹ بولا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ یہ بھی جھوٹ بولے۔

اسی طرح فقہاء کہتے ہیں کہ کسی نے کسی کو جلا کر ماڈالا، یا غرق کر دیا، یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، یا اس

•••••207••••• حکمران پیوروکریسی اور عوام

کے مثل کسی اور طریقے سے قتل کر دیا تو اس کے لئے وہی کیا جائے جو اس نے کیا ہے لیکن ملحوظ رہے کہ وہ سزا فی نفسہ حرام نہ ہو، مثلاً شراب پلائی تو اس کے بدلہ اور قصاص میں شراب پلائی جائے۔ یا لواطت کی تو اس کے ساتھ لواطت کی جائے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ جلا کر مادیں، یا غرق کر دینے، یا گلا گھونٹ کر مادیں کی عقوبت و سزا، تو د بالسیف ہے یعنی تلوار سے اس کی گردن اڑادی جائے۔ لیکن ہم جو پہلے کہہ چکے ہیں وہی کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے زیادہ مشابہ ہے۔

باب 24 (Chapter) کے مضامین

افتراء میں قصاص نہیں ہے، اس میں عقوبت و سزا ہے، حد قذف بھی اس میں ہے، جبکہ مقذوف شادی شدہ، مسلم، آزاد اور عقیف ہو، جو شخص فسق و فجور میں مشہور ہو، اس کے قاذف پر حد نہیں لگے گی۔

افتراء و بہتان وغیرہ میں قصاص نہیں ہے، بلکہ عقوبت و سزا ہے، اسی افتراء و بہتان میں حد قذف بھی ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَاصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورہ نور)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔ اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ اور یہ لوگ خود بدکار ہیں مگر جنہوں نے ایسا کہے پیچھے توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

جب کسی آزاد، شادی شدہ پر زنا یا لواطت کی تہمت لگائی جائے تو اس پر حد قذف جاری کرنا واجب

•••••208••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

ہے، اور یہ حد اسی کوڑے ہیں، اگر اس کے علاوہ کسی دوسری بات کی تہمت لگائی تو اسے تعزیر کی سزا دی جائے گی۔

اس حد کا حق مقذوف کو پہنچتا ہے، اور اس لئے حد اسی وقت جاری ہوگی جبکہ وہ اس کا مطالبہ کرے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اگر مقذوف معاف کر دے تو حد ساقط ہو جائے گی، جمہور علماء اس پر اتفاق ہے، کیونکہ اس میں زیادہ تر حق آدمی کا ہے، جیسا کہ قصاص مال وغیرہ آدمی کا حق ہے۔ بعض کہتے ہیں نہیں حد ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے، اور جس طرح دوسری حدود معاف نہیں ہو سکتیں، یہ بھی معاف نہیں ہوگی۔

حد قذف اس وقت جاری ہوگی جبکہ مقذوف شادی شدہ ہو، اور مسلمان، آزاد، عقیف و پاکدامن ہو۔

جو شخص فسق و فجور کے معاملہ میں مجروح اور بدنام ہو، اس پر تہمت لگانے سے حد جاری نہیں ہوگی۔ اسی طرح کافر، اور غلام پر تہمت لگانے سے حد جاری نہیں ہوگی، البتہ ان پر تعزیر ہوگی۔ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگائے جبکہ وہ زنا کی مرتکب ہو اور زنا سے حاملہ نہیں ہوئی ہے۔ اگر زنا سے اگر حاملہ ہوگئی، اور بچہ پیدا ہو گیا ہے تو شوہر پر فرض ہے کہ اسے متہم کرے اور بچہ کا انکار کر دے کہ اس کا نہیں ہے تاکہ جو اس کا نہیں ہے وہ اس کی طرف منسوب نہ ہو۔

جب شوہر نے بیوی پر قذف اور تہمت لگائی تو بیوی یا تو زنا کا اقرار کر لے یا ملاعنہ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں اور رسول اللہ ﷺ نے سنت میں ذکر کیا ہے۔

اگر قاذف یعنی تہمت لگانے والا غلام ہے تو اس پر نصف حد جاری ہوگی اور یہی حکم زنا اور شراب نوشی میں بھی ہے، کہ نصف سزا سے ہوگی، چنانچہ غلام اور باندی وغیرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ

(نساء: 4)

پھر اگر قید میں آنے کے بعد بے حیائی کا کوئی کام کریں تو جو سزا بیوی کی ہے اس کی آدھی
لوٹدی کی ہے۔

لیکن جس حد میں قتل واجب ہے، یا ہاتھ کاٹنا واجب ہے تو سزا نصف نہیں ہوگی بلکہ پوری پوری عقوبت و
سزا ہوگی۔

باب 25 (Chapter) کے مضامین

حقوق البضاع، زن و شوہر کے تعلقات اور حق مہر، نفقہ، اور معاشرہ کے حقوق
میاں بیوی کے باہمی تعلقات اور حقوق، میاں اور بیوی دونوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر
عمل کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَامْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ (بقرہ، ع: 29)

دو طلاقوں کے بعد یا تو دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ
رخصت کر دینا۔

میاں اور بیوی دونوں پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق بطیب خاطر اور انشراح صدر کے ساتھ
پورے کریں، بیوی کا شوہر کے مال میں حق ہے، اور وہ مہر اور نفقہ ہے، جسم پر حق ہے وہ عورت سے صحیح
مباشرت رکھے اور اس سے استفادہ کرے، اور اس لئے اگر اس نے ایلا کیا اور نہ ملنے کی قسم کھالی تو
عورت تفریق کی حقدار ہے۔ سب مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اگر شوہر محبوب اور عنین ہے، جماع
اور ہمبستری نہیں کر سکتا کہ اس پر جماع کرنا واجب ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر اس کا باعث طبعی ہے تو
واجب نہیں ہے، لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ جماع و ہمبستری واجب ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب
الرسول اور اصول شریعت دلالت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو
دیکھا وہ روزے بہت رکھتے ہیں اور نماز میں اکثر وقت گزارتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ لِرَّوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا

تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

پس جماع و ہمبستری واجب ہے، لیکن کتنے عرصہ میں جماع کرنا چاہیے اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں چار ماہ میں ایک مرتبہ جماع واجب ہے، بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ اس کی طاقت اور بیوی کی حاجت کے مطابق واجب ہے۔ جس طرح کہ نان و نفقہ واجب ہے، اور یہی مناسب فیصلہ ہے۔ اور بیوی پر شوہر کا حق ہے جب چاہے بیوی سے فائدہ اٹھائے لیکن شرط یہ ہے کہ بیوی کو نقصان نہ پہنچے یا کسی واجب حق سے قاصر نہ ہو جائے، بیوی پر واجب ہے کہ شوہر کو قدرت دے، اس کے گھر سے اس کی اجازت یا شارع کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

گھر کی خدمت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً فرش بچھا دینا، جھاڑو وغیرہ لگا دین، روٹی وغیرہ پکا دینا وغیرہ، تو بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بیوی پر واجب ہے بعض واجب نہیں کہتے، بعض کہتے ہیں درمیانی خدمات واجب ہیں۔

باب 26 (Chapter) کے مضامین

اموال کا فیصلہ عدل و انصاف سے کیا جائے، معاملات میں عدل و انصاف ہی دنیا کے امن و چین کا کفیل ہے، دنیا و آخرت اسی سے درست ہوتی ہے۔

اموال کا فیصلہ عدل و انصاف سے کیا جائے، جیسا کہ اللہ اور رسول کا حکم ہے، مثلاً ترکہ، وارثوں پر کتاب و سنت کے مطابق تقسیم کیا جائے، گو اس کے بعض مسائل میں نزاع ہے، اسی طرح معاملات میں مبايعات، اجارات، وکالات، مشارکات، ہبات اوقاف و وصایا وغیرہ میں عدل و انصاف واجب ہے، اور ان معاملات میں جن میں عقود اور قبضہ شرط ہے، عدل و انصاف واجب ہے، اس لئے کہ عدل و انصاف ہی سے دنیا و جہان کا قوام ہے، اس کے بغیر دنیا و آخرت درست ہی نہیں ہو سکی، ان چیزوں

••••• 211 ••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

میں عدل و انصاف ہر عقلمند سمجھتا ہے، اور مثلاً خریدار پر واجب ہے کہ وہ چیز کی قیمت فوراً ادا کر دے اور بیچنے والے پر واجب ہے کہ بیع خریدار کے حوالہ کر دے، اور مثلاً ناپ و تول میں کمی بیشی کرنا قطعاً حرام ہے، قرض ادا کرنا، جس سے قرض لیا اس کا شکرا اور تعریف کرنی واجب ہے، عام معاملات جن کی کتاب و سنت نے ممانعت کی ہے وہ ہیں جن میں عدل و انصاف نہیں ہو سکتا، اور چھوٹا بڑا کم زیادہ ظلم ہوتا ہو، مثلاً باطل کے ذریعہ مال لینا جیسے سود اور جوا۔ سود کی تمام صورتیں جوئے کی تمام اقسام جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، حرام ہیں مثلاً بیع غرر (دھوکہ سے مال بیچنا)۔ بیع الطیر (پرندہ اڑ رہا ہو، اس کو بیچنا)، مچھلی پانی کے اندر ہو، اُسے بیچنا، میعاد مقرر نہ کرنا اور بیچنا، بیع المصراط، بیع الملامہ، بیع منابذہ، بیع مزایہ، بیع محالہ، اور خراب اشیاء کا بیچنا، پھلوں میں صلاحیت پیدا نہ ہو، ان کو بیچنا، فاسد شرکت کرنی، اور وہ تمام معاملات جن سے مسلمانوں کے اندر نزاع ممکن ہے اور جن میں کچھ نہ کچھ خرابی ہو، یا شبہ ہو، یا وہ عقد جو کچھ لوگ صحیح اور عدل سمجھتے ہوں۔ اور کچھ لوگ ظلم و جور سمجھتے ہوں۔ ان کا فاسد ہونا واجب و ضروری ہے۔ ان سے بیچنا ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء. ع: 8)

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو، اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو کہ یہ بہتر ہے، اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اور اس بارے میں اصل اصول اور ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ معاملات وہی حرام ہیں جن کو کتاب و سنت نے حرام قرار دیا ہو، اور عبادات وہی مشروع ہیں جس کی مشروعیت کتاب و سنت سے ثابت ہو، جن

•••••212••••• حکمران پیورو کر لیں اور عوام

لوگوں کی اللہ نے مذمت کی ہے وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے وہ چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں۔ اور ایسی چیزیں جائز کر لی تھیں جن کے جواز پر کوئی شرعی دلیل نہیں تھی۔

اللهم وفقنا لان نجعل الحلال ما حلتته، والحرام ما حرمته، والدين ما

شرعته

باب 27 (Chapter) کے مضامین

امیر، ولی الامر، حاکم کے لئے مشورہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا:
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ - اور جو لوگ مشورہ لیتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے:
وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ -

ولی الامر کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشورہ لیا کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا ہے:
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ (آل عمران: ع: 17)

تم ان کے قصور معاف کرو اور اللہ سے بھی ان کے گناہوں کی معافی مانگو، اور معاملات صلح و جنگ میں ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو۔ پھر مشورے کے بعد تمہارے دل میں ایک بات ٹھن جائے تو بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی رکھنا، جو لوگ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں، اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ أَحَدًا أَكْثَرَ مُشَاوَرَةً لِأَصْحَابِهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کی تالیف القلوب کی غرض سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے، اور

•••••213••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

اس غرض سے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی قداء کی جائے۔ اور جس امر کے متعلق وحی نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، مثلاً حرب و جنگ وغیرہ اور جزئی امور میں لوگوں کی رائے اور مشورہ لیا جائے، جب رسول اللہ ﷺ مشورہ لیا کرتے تھے تو غیر بدرجہ اولیٰ مشورہ کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ فرماتا ہے:

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَغْضُبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ۝ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ (شوری، ع: 4)

اور جو اللہ کے ہاں ہے اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ان ہی لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جب ان کو غصہ آ جاتا ہے تو درگزر کرتے ہیں، اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں، اور جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ولی الامر جب مشورہ لے، اور کتاب اللہ، کتاب الرسول اور اجماع سے حکم اور فیصلہ معلوم ہو جائے تو ولی الامر کا فرض ہے کہ اس کے خلاف کسی کی اتباع نہ کرے اگرچہ وہ دین و دنیا کا کتنا ہی بڑا امر اور معاملہ کیوں نہ ہو، غیر کی اتباع جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ
مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں
ان کا بھی۔

اور اگر معاملہ ایسا ہے کہ اس میں مسلمانوں میں باہم تنازع ہے تو ضروری ہے کہ لوگوں سے رائے اور

مشورہ طلب کرے اور جو رائے، جو مشورہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول کے قریب اور مشابہ ہو اس پر عمل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء: ع: 8)

پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی شرط ہے کہ اس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اولی الامر کی دو قسمیں ہیں، ایک امراء اور دوسرے علماء۔ یہ لوگ جب صالح اور نیک ہوں گے تو عوام بھی صالح اور نیک بن جائیں گے۔ ان ہر دو فریق کا فرض ہے کہ ہر قول و فعل کی جانچ کریں، جب کتاب اللہ اور کتاب الرسول کا حکم واضح ہو جائے تو اس پر عمل واجب ہوگا، مشکل اور دشوار معاملہ کی اچھی طرح جانچ کرے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کس طریقہ سے ممکن ہے، کتاب و سنت کس چیز پر دلالت کرتی ہے، خوب جانچ لیں اور جانچ کے بعد فیصلہ کریں، اگر تنگی وقت یا طالب کی کوتاہی، یا دلائل باہم متعارض ہیں یا کسی اور وجہ سے فوری فیصلہ ممکن نہیں ہے، تو ولی الامر کا فرض ہے کہ اس کی تقلید کرے جس کا علم و دین مسلم ہے، اور یہی قوی ترین قول ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ تقلید جائز نہیں ہے اور تینوں قول مذہب امام احمد وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور جو شرط قضاۃ اور والیان امر کے متعلق ہے اس پر حسب امکان عمل کیا جائے، بلکہ ہمہ قسم کی عبادتیں نماز، جہاد وغیرہ میں بھی حکم ہے، قدرت و طاقت کے مطابق عمل و فعل واجب ہے، جب قدرت نہ ہو، عاجزی اور مجبوری ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت و قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی کلیہ کے مطابق طہارت و پاکی کا معاملہ ہے، پانی سے پاکی حاصل کرے، اگر پانی معدوم ہو یا اس کے استعمال سے ضرر متصور ہو، مثلاً سخت ترین سردی ہے، یا پانی کے استعمال سے زخم بڑھ رہا ہے تو تیمم کر لے اور اسی بناء پر نبی کریم ﷺ نے، سیدنا عمران بن

حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِيعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِيعْ فَعَلَى جَنْبٍ

نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرو، اگر کھڑ ہونے کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر، اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں تو لیٹے لیٹے پڑھا کرو۔

غرض یہ کہ اللہ نے نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم فرمایا: جس طرح اور جس حال میں ممکن ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا، فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ (البقرة: ع: 31)

مسلمانو! تمام نمازوں کی عموماً اور درمیانی نماز (عصر) کی خصوصاً محافظت کرو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو۔ اور پھر اگر تم کو دشمن کا ڈر ہو تو پیدل یا سوار جس حالت میں جیسے بن پڑے نماز ادا کرلو، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پھر جس طرح اللہ نے تم کو سکھایا ہے کہ تم پہلے نہیں جانتے تھے، اسی طریقے سے اللہ کو یاد کرو۔

نماز اللہ تعالیٰ نے امن، خائف، صحیح و تندرست، مریض، غنی، فقیر، مقیم و مسافر تمام پر فرض کر دی جیسا کہ کتاب اللہ، کتاب الرسول میں وارد ہے، اسی طرح نماز کے لئے طہارت، ستر پوشی، استقبال قبلہ بھی فرض کر دیا اور جو اس سے قاصر ہو اس سے ساقط کر دیا، اگر کسی کی کشتی ٹوٹ گئی اور ڈاکوؤں اور چوروں نے انہیں لوٹ لیا۔ کپڑے وغیرہ اتروائے، تو اس وقت ننگے حسب حال نماز ادا کریں اور جو امام ہو وہ درمیان میں کھڑا رہے، تاکہ ستر کوئی نہ دیکھ پائے، اگر قبلہ ان پر مشتبہ ہو جائے تو حسب طاقت کوشش کریں اور کوشش کے بعد نماز ادا کر لیں۔ اگر کسی جانب ترجیح کی دلیل نہیں ہے تو جس طرح جس جہت امکان ہو نماز ادا کریں، جیسا کہ عہد نبوی ﷺ میں نماز گزاری گئی تھی۔

•••••216••••• حکمران پیورو کر سکی اور عوام

یہی حال جادو و لایات اور تمام دینی امور کا ہے، اور ان امور کے متعلق قرآن حکم کا یہ قاعدہ و کلیہ ہے:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن: ع: 2)

تو مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ

جب میں کسی چیز کا تمہیں حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کرو۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے خبیث اشیاء کے کھانے پینے کو حرام قرار دیا۔ تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ:

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرة: ع: 21)

تو جو بھوک سے بے قرار ہو جائے اور عدول حکمی کرنے والا اور حد سے بڑھ جانے والا نہ

ہو تو اس پر کسی چیز کے کھالینے کا بھی گناہ نہیں ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج: ع: 10)

دین کے بارے میں تم پر کسی قسم کی سختی نہیں ہے۔

اور فرمادیا:

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ (مائده: ع: 2)

اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے وہی فرض فرمایا جو انسانی طاقت میں ہو، اور جو طاقت و قدرت سے خارج ہے وہ

واجب نہیں ہے، حالت اضطراری میں ضرورت کے وقت جس کے بغیر چارہ نہیں ہے، حرام نہیں کیا،

اضطرار کی حالت میں بندے نے حرام چیز پر بلا معصیت عمل کر لیا تو جائز ہے، کوئی گناہ نہیں۔

باب 28 (Chapter) کے مضامین

ولایت امر، امارت و حکومت دین کا عظیم الشان رکن اور اہم ترین واجبات سے ہے، بلکہ دین کا قیام و بقاء اسی سے وابستہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤْمِرُوا أَحَدَهُمْ (ابوداؤد)

جاننا چاہیے کہ ولایت امر اور امارت ملیہ دین کے اہم ترین اور عظیم ترین واجبات میں سے ہے، بلکہ دین کا قیام و بقاء اسی سے وابستہ ہے، کیونکہ بنی آدم کی اجتماعی مصلحتیں اجتماع کے بغیر ناممکن ہیں۔ بعض کی ضروریات اور حاجتیں اجتماع کے بغیر ممکن ہی نہیں ہیں۔ اور جب اجتماع واجب و لازم ہے، اجتماع کے لئے امیر و سردار کا ہونا بھی واجب اور ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤْمِرُوا أَحَدَهُمْ (رواہ ابوداؤد من حدیث ابی سعید و ابی ہریرہ)

جب تم تین آدمی سفر میں نکلو تو ایک کو ان میں سے اپنا امیر بنا لو۔

اور امام احمد اپنی مسند میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لثَلَاثَةٍ يَكُونُونَ بِفَلَاقَةٍ مِنَ الْأَرْضِ إِلَّا أَمَرُوا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ (رواہ امام احمد فی سندہ)

تین آدمی صحراء میں سفر کریں تو ضروری ہے کہ ایک کو ان میں سے اپنا امیر بنالیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قلیل سے قلیل اجتماع میں جو بالکل عارضی اور بحالت سفر ہو، واجب اور ضروری قرار دیا ہے کہ ایک کو ان میں سے اپنا امر بنالیں۔ اور امیر بنالینا واجب قرار دیا۔ اور یہ اس لئے کہ دیگر

•••••218••••• حکمران پیورو کرسی اور عوام

ہمہ قسم کے اجتماعات کے لئے تاکید و تنبیہ ہو جائے کہ جب سفر میں تین آدمی مجتمع ہو جائیں تو ایک کو اپنا امیر بنالینا واجب ہے تو پھر دوسرے اجتماعات میں بدرجہ اولیٰ یہ حکم نافذ ہوگا۔ اور اس لئے نافذ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو واجب گردانا ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قوت امارت کے بغیر ناممکن ہے، اسی طرح تمام فرائض و واجبات مثلاً جہاد، قیام عدل و انصاف، اقامت حج، اقامت جمعہ و عیدین، نصرت مظلوم، اقامت حدود بغیر قوت، بغیر امارت ناممکن ہے، اور اسی لئے روایت کی گئی ہے:

أَنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ

سلطان و حکمران زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ برس جابر و ظالم سلطان کا ہونا زیادہ مناسب اور صالح ہے، ایک رات بغیر سلطان کے گزارنے سے، اور تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ بلا سلطان گزارنے سے ظالم بادشاہ، جابر سلطان کا وجود زیادہ مناسب ہے، اور اسی بناء پر سلف صالح کہا کرتے تھے، مثلاً فضل بن عیاض اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ وغیرہ:

لَوْ كَانَ لَنَا دَعْوَةٌ مُجَابَّةٌ لَدَعَوْنَا بِهَا لِلْسُّلْطَانِ

اگر ہماری دعا قبول و مستجاب ہوتی تو ہم سلطان کے لئے دعا کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَرْضِي لَكُمْ ثَلَاثًا أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا

بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا. وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَّلَاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ (رواہ

مسلم)

تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ تم سے بہت خوش ہے، ایک یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ دوسری یہ کہ حبل اللہ کو سب مل کر مضبوط تھامے رہو، فرقے فرقے مت

بن جاؤ۔ تیسری یہ کہ جس شخص کو اللہ نے تمہارا دلی بنایا اس کو نصیحت کیا کرو۔

اور فرمایا:

ثَلَاثٌ لَا يَغْلُ عَلَيْهِنَ قَلْبُ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَمَنَاصِحَةُ وُلَاةِ الْأَمْرِ وَ
لُزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تَحِيْطُ مِنْ وَرَائِهِمْ

تین چیزوں میں مسلمان کا قلب غلو نہیں کر سکتا، اللہ کے لئے اخلاص عمل میں، والیان
امروالیان ملک کو نصیحت کرنے میں اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے میں، کیونکہ
ان لوگوں کی دعوت و دعا پیچھے سے گھیر لیتی ہے۔ (رواہ اہل سنن)

صحیح البخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الَّذِينَ النَّصِيحَةُ، الَّذِينَ النَّصِيحَةُ، الَّذِينَ النَّصِيحَةُ (بخاری)

دین نصیحت کا نام ہے، دین نصیحت کا نام ہے، دین نصیحت کا نام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نصیحت کس کو کی جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ
کیلئے، اور اس کی کتاب کے لئے اور اس کے رسول کے لئے، ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کو۔

پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ دین اور تقرب الی اللہ کو مد نظر رکھ کر امارت اسلامیہ بنائیں، اور اس
سے تقرب الہی حاصل کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت افضل
ترین عبادت ہے، امارت قائم کرنا، امارت کو مضبوط بنانا یہی زبردست عبادت ہے، لیکن اس میں فساد و
خرابی بھی پیدا ہو جاتی ہے، اکثر لوگ اس امارت اور ریاست کے ذریعہ مال و دولت کی خواہش رکھتے
ہیں، اور اس کو ذریعہ دنیا بنا لیتے ہیں جس سے اپنا دین اپنی آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں۔ اور خَسَرَ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ کا مصداق بن جاتے ہیں، جیسا کہ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ
سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا ذُنْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حَرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ أَوْ

الشَّرَفِ لِدِينِهِ (ترمذی حدیث حسن صحیح)

دوبھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں بھیجے گئے ہیں جو بکریوں کو خراب کر رہے ہیں،
ایک آدمی کی حرص مال و دولت کیلئے، دوسری دین کے بارے میں شرف و بزرگی۔

نبی کریم ﷺ نے آگاہ اور خبردار کر دیا کہ حرص علی المال، اور حرص ریاست دونوں چیزیں ایسی ہیں جو
دین کو برباد کر دیتی ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ اکثر فساد اور خرابی انہی دوبھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوتی
ہے۔ یہی دوبھوکے بھیڑیے انسانی ریوڑ کو تاراج و برباد کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے بارے میں خبر دی ہے جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا
جائے گا، اور وہ بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیکھ کر کہے گا:

مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ . هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ (الحاقہ. ع: 2)

میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، مجھ سے میری بادشاہت چھن گئی۔

ریاست و امارت اور سرداری کے طالب کی انتہا فرعون جیسی ہوتی ہے، اور مال جمع کر نیوالے کی حالت
قارون کی سی ہوتی ہے، اللہ نے قرآن حکیم میں فرعون اور قارون کا حال بیان کیا ہے، فرماتا ہے:

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ
كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ آثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ
لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ (مومن. ع: 3)

اور کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے
ہیں ان کا کیسا انجام ہوا؟ وہ لوگ کیا بل بوتے کے اعتبار سے اور کیا ان شانوں کے اعتبار
سے جو زمین پر چھوڑ گئے ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی
سزا میں پکڑا اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔

اور اللہ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِي لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ O (قصص . ع: 9)

یہ آخرت کا گھر ہے جس کو ہم نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو دنیا میں کسی طرح کی شخی نہیں کرنی جانتے، اور نہ فساد۔ اور انجام پر ہیروز گاروں ہی کا ہے۔

کیونکہ لوگ چار قسم کے ہیں، ایک وہ لوگ جو علو و سر بلندی، سرداری کے طالب اور خواہاں ہیں، اور اللہ کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ اپنی سر بلندی و سروری کیلئے ہر مکر و فریب کو جائز کر لیتے ہیں، یہ سکت ترین معصیت اور بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسے سلاطین، شاہان ملک، رؤساء مفسدین، فرعون اور فرعون کی ذریت، فرعون کے گروہ میں سے ہیں، اور اللہ کی مخلوق میں شریر ترین لوگ یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةً مِنْهُمْ يَدْخُلُ
أَبْنَاءُهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (قصص . ع: 1)

فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ رہا تھا، اور اس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ کر دیئے تھے، ان میں سے ایک گروہ کو کمزور سمجھ رکھا تھا کہ ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فساد یوں میں سے تھا۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ فِي قَلْبِهِ
مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ (مسلم)

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر کبر و غرور ہوگا اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

•••••222••••• حکمران پیورو کریسی اور عوام

کسی نے کہا: یا رسول اللہ! یہ مجھے بہت پسند ہے کہ میرا کپڑا، میرا جوتا اچھا دیکھے تو کیا یہ بھی کبر و غرور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمَطُ النَّاسِ
نہیں یہ کبر و غرور ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند فرماتا ہے۔ کبر و غرور یہ ہے کہ حق کو ٹھکرایا جائے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھا جائے۔

یہ حال ان لوگوں کا ہے جو علو و سر بلندی، سرداری و برتری کے خواہاں ہیں، اور فساد فی الارض چاہتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ ہیں جو فساد فی الارض چاہتے ہیں۔ علو، سر بلندی اور سرداری سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہے، جیسے چور، ڈاکو، راہزن اور اس قسم کے جرائم پیشہ مفسد اور کمینے لوگ ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علو و سر بلندی چاہتے ہیں، فساد فی الارض نہیں چاہتے اور یہ دین والوں کا طبقہ ہے، جن کے پاس دین ہے، اور دین کے ذریعہ لوگوں پر علو و سر بلندی کے خواہاں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَهْنُؤْا وَلَا تَحْزَنْوْا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

اور ہمت نہ ہارو اور آزر نہ خاطر نہ ہو اور اگر تم سچے مسلمان ہو تو آخر کار تمہارا ہی بول بالا ہو گا۔ (آل عمران - ع: 14)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَهْنُؤْا وَ تَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكَكُمْ أَغْمَالُكُمْ (محمد. ع: 4)

تو مسلمانو! بزدل نہ بنو، اور خود پیغام دے کر دشمنوں کو صلح کی طرف نہ بلاؤ اور جانے رہو کہ آخر کار تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کے ثواب میں کسی طرح کی کمی نہیں کرے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

و لله العزة و لرسوله و للمؤمنين . (منافقون ع 1)

عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے۔

پس بہت سے علو و سر بلندی کے طالب ایسے ہیں جو سب سے زیادہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اسفل السافلین میں گرے ہوئے رہتے ہیں اور کتنے ہیں جو علو و سر بلندی اور فساد فی الارض سے گریز کرتے ہیں، پھر بھی وہ علو و سر بلندی کے مناروں پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ اس لئے ہوتا کہ مخلوق خدا پر علو و سر بلندی کی نیت مخلوق پر سخت ترین ظلم ہے کیونکہ تمام انسان ایک ہی جنس ہیں ایک ہی نوع ہیں اور ایک انسان یہ ارادہ اور نیت رکھتا ہے کہ اپنے ابناء جنس پر علو و سر بلندی حاصل کرے اور اسی کے مثل دوسرے ہیں وہ اس کے ماتحت رہیں یہ سخت ترین ظلم ہے اور ایسے لوگوں سے بغض و عناد، حسد و کینہ لازمی ہے اور جو عادل اور منصف ہوتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اپنے بھائیوں سے سر بلند رہے اور اپنے بھائی جو اسکے جیسے ہی ہیں وہ متہور ذلیل و خوار ہو کر رہیں غیر عادل انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ قاہر و غالب اور سر بلند ہو کر رہے ان کے پاس بھی دین عقل موجود ہے وہ دیکھتے ہیں کہ بعض کو بعض پر خدا نے فضیلت دی ہے، فضلنا بعضکم علی بعض . جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسان کا جسم ہے اور اس جسم کی اصلاح بغیر سر کے ممکن نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وهو الذی جعلکم خلأئف الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجات

لیبلوکم فیما اتاکم . (انعام ع 20)

اور وہی ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی ہے تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

نحن قسمنا بینہم معیشتهم فی الحیاة الدنیا و رفعنا بعضہم فوق بعض

درجات لینخذ بعضهم بعضا سخریا۔ (زخرف ع 3)

سواس زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے درجوں کے اعتبار سے ان میں ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تاکہ ان میں ایک کو ایک اپنا محکوم بنائے رہے۔

شریعت اسلام نے یہ لازم اور ضروری گردانا کہ سلطنت، ریاست اور مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ ہو، سلطنت و ریاست کا اصل مقصد یہی ہے تقرب الہی حاصل کیا جائے خدا کا دین قائم اور مضبوط ہو، اور جب اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کی جائے گی، تو لازمی طور پر دین و دنیا کی اصلاح ہوگی، اور فلاح و بہبود نصیب ہوگی، اگر امیر و سلطان دین سے علیحدہ رہے گا تو لوگوں کے حالات خراب ہو جائیں گے۔

طاعت الہی اور اہل معصیت کا امتیاز نیت و ارادہ اور عمل صالح سے ہوتا ہے، جیسا کہ صحیحین کے اندر نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:-

ان الله لا ينظر الى صوركم ولا الى اموالكم و انما ينظر الى قلوبكم و الى اعمالكم۔ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارا مال نہیں دیکھا کرتا، بلکہ وہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

اکثر والیان ملک و لاۃ، امراء، روساء ایسے ہیں جن پر دنیا مسلط ہو چکی ہے۔ مال و شرافت، دولت و بزرگی سے دنیا ہی کے کام لیتے ہیں۔ حقیقت ایمان۔ اور کمال دین سے سراسر محروم ہیں بعض ان میں ایسے ہیں جن پر دین غالب ہے لیکن تکمیل جن امور سے ہوتی ہے ان سے سراسر ناواقف ہیں اور اس لئے وہ ان امور کو چھوڑے بیٹھے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، لیکن پھر بھی دین سے اعراض کئے بیٹھے ہیں اور یہ اس لئے کہ سلطنت و ریاست و لایت و امارت کو وہ دین کے خلاف سمجھتے ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے یہ دین کے منافی ہے دین ان کے نزدیک ذلت و خواری کا نام ہے

علو و سر بلندی عزت و بزرگی سے قطعاً محروم ہے۔

اور یہی حال ان دو مذہبوں کا ہوا یہود و نصاریٰ نے دیکھا کہ ان کا دین مکمل نہیں تکمیل دین سے اپنے کو عاجز پایا۔ اور اقامت دین اقامت مذہب میں بلا اور مصائب دیکھے تو گھبرا گئے اور طریقہ دین کمزور ہو گیا دین کو ذلیل سمجھ کر چھوڑ بیٹھے انہوں نے دیکھا کہ اس دین اس مذہب سے نہ تو اپنی مصلحت پوری ہوتی ہے نہ دوسروں کی اسلئے اصل دین کو ہی چھوڑ بیٹھے یہ دو دین اور دو راستے تھے ایک نے دیکھا کہ تکمیل دین کے لئے جس سلطنت اور جزر و جگ اور مال و دولت کی ضرورت ہے اور جس کی ان کو احتیاج ہے ان کا دین اس ضرورت و احتیاج کو پورا نہیں کرتا اس لئے وہ اصل دین ہی سے نفرت کرنے لگے اور دین کو چھوڑ بیٹھے۔

دوسرا گروہ سلطنت مال و دولت حرب و جنگ کا سامان اپنے دین اپنے مذہب میں پاتا ہے لیکن اقامت دین ان کے مقصد سے خارج ہے اس لئے یہ بھی دین و مذہب کو چھوڑ بیٹھے۔

یہ دو گروہ مغضوب علیہم یہود اور ضالین نصاریٰ ہیں یہود نے سلطنت و سیاست اور امارۃ سیاست کو چھوڑ دیا اور نصاریٰ عیسائیوں نے دین کو چھوڑ دیا۔

صراط مستقیم انہی لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوا ہے۔

صراط الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء
والصالحین .

اور یہ راہ ان لوگوں کی ہے جن پر اللہ کا خاص انعام ہوا ہے جو انبیاء کرام، صدیقین، شہداء و صالحین ہیں۔

ہمارے رسول ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا یہی طریقہ رہا آپ کے بعد آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ رہا خلفاء رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ان کی راہ پر چلنے والوں کا بھی یہی طریقہ رہا۔

السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان
رضى الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجرى من تحتها الانهار
خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم . (توبه ع 13)

اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام لانے میں سبقت کی سب سے پہلے
اسلام قبول کیا اور نیز وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص دل سے ایمان لائے اللہ ان سے خوش اور
وہ اللہ سے خوش اور اللہ نے ان کیلئے باغ تیار کر رکھے ہیں جنکے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی
اور یہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

پس ہر مسلمان کا فرض عین ہے کہ حسب استطاعت کوشش کرے اور جو شخص ولایت و حکومت پر
مأمور ہے اس سے وہ طاعت خدا اور اقامت دین اور مصالح المسلمین کی خدمات لے اور ولایت و
حکومت کو حتی الامکان مقصد و حید سمجھ کر اس کو مضبوط کرے اور تا امکان محرمات سے بچے اور بچائے جس
سے وہ عاجز اور قاصر ہے اس کا مؤاخذہ نہیں ہے، ابراہیم کو کار کو ولی امر بنانا امت محمدیہ ﷺ کے لئے
بڑی خیر و برکت ہے، بمقابلہ فجار و فاسق کو ولی الامر بنانے کے اور جو سلطنت و ریاست امارت و سیاست
ولایت کے ذریعہ اقامت دین جہاد فی سبیل اللہ سے عاجز و قاصر ہے وہ اسی قدر خدمات انجام دے
جس پر وہ قادر ہو خلوص قلب سے قوم کو نصیحت کرے اور امت محمدیہ ﷺ کے لئے محبت اور خیر و بھلائی
کی دعا کرے اور جو خیر و بھلائی اسکے امکان میں ہے کرتا رہے کیونکہ اللہ اس چیز کا مکلف نہیں گردانتا
جس سے وہ عاجز و قاصر ہے دین کا قیام کتاب اللہ سے ہے جو ہادی ہے اور حدیث سے ہے جو ناصر و
مددگار ہے ان دو کو راہ نما، راہبر بنا کر نصرت الہی حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم، اور حدیث خیر الانام کو سب پر مقدم سمجھے اور اللہ تعالیٰ
ہی سے اعانت و امداد چاہے اور خیر طلب کرتا رہے اور پھر دنیا تو اسی لئے ہے کہ اس کے ذریعہ دین کی
خدمت کرے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

يَا بَنَ آدَمَ أَنْتَ مُحْتَاجٌ إِلَىٰ نَصِيكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ أَنْتَ إِلَىٰ نَصِيكَ مِنَ
الْآخِرَةِ مِنَ الْآخِرَةِ أَحْوَجُ فَإِنْ بَدَأْتَ بِنَصِيكَ مِنَ الْآخِرَةِ وَ بِنَصِيكَ
مِنَ الدُّنْيَا فَانْتَظِمُهَا إِنْتِظَامًا وَ إِنْ بَدَأْتَ بِنَصِيكَ مِنَ الدُّنْيَا فَاتَكَ
نَصِيكَ مِنَ الْآخِرَةِ وَ أَنْتَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَىٰ خَطَرٍ .

اے آدم کے بیٹے تو اپنی دنیا، اور اپنی آخرت میں اپنے نصیب کا محتاج ہے اور آخرت کے
نصیب کا زیادہ محتاج ہے تو تو اپنی آخرت کے نصیب سے شروع کر اور دنیا کے نصیب کا انتظام کر
لے اور اگر تو نے اپنی دنیا کے نصیب سے شروع کیا تو آخرت کے نصیب کو فوت کر دے گا اور
دنیا تیرے لئے خطرہ بن جائے گی۔

اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو ترمذی نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے۔
آپ نے فرمایا:-

مَنْ أَصْبَحَ وَالْآخِرَةُ أَكْبَرُ هِمِّهِ جَمَعَ اللَّهُ لَهُ شَمْلَهُ وَ جَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَ آتَتْهُ
الدُّنْيَا وَ هِيَ رَاغِمَةٌ وَ مَنْ أَصْبَحَ وَ الدُّنْيَا أَكْبَرُ هِمِّهِ فَفَرَّقَ اللَّهُ عَلَيْهِ ضِعْفَتَهُ وَ
جَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كَتَبَ لَهُ .

جس نے اس حالت میں صبح کی کہ آخرت اس کا اہم مقصد ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حالات
کو درست کر دے اور اس کے دل میں غنا پیدا کر دے گا اور اس کے دل میں غنا پیدا کر
دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اس
کا اہم مقصد دنیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے سامان کو بکھیر دے گا اور فقر اس کی آنکھوں کے
سامنے آ جائے گا اور دنیا تو اسی قدر اس کو ملے گی جو اللہ نے اسکے حق میں لکھ رکھی ہے۔

اور اس کی اصل قرآن حکیم کے اندر ہے:-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ

يُطْعَمُونَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ .

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں ہم ان سے کچھ روزی کے تو خواہاں ہیں نہیں اور نہ اس کے خواہاں ہیں کہ ہم کو کھلائیں پلائیں اللہ تو خود بڑا روزی دینے والا قوت والا زبردست ہے۔

خاتمہ و دعاء

ہم بارگاہ الہی میں دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں اور تمام مسلمانوں کو اس چیز کی توفیق بخشے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور جس سے وہ راضی ہے۔

فَإِنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ . وَ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا
كَثِيرًا دَائِمًا إِلَى يَوْمِ الدِّينِ .